

پاکستانی معاشرے میں 3 کروڑ بے شناخت بچے

ISSN 1684 - 8535
REG. NO. ID 247



فروری 2020ء

ہمیں ہماری شناخت کون دے گا؟



انتباہ:

جب ایک قوم اپنی نئی نسل سے لا پرواہ ہو جاتی ہے تو اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے

آرٹسٹ: ایلارشید



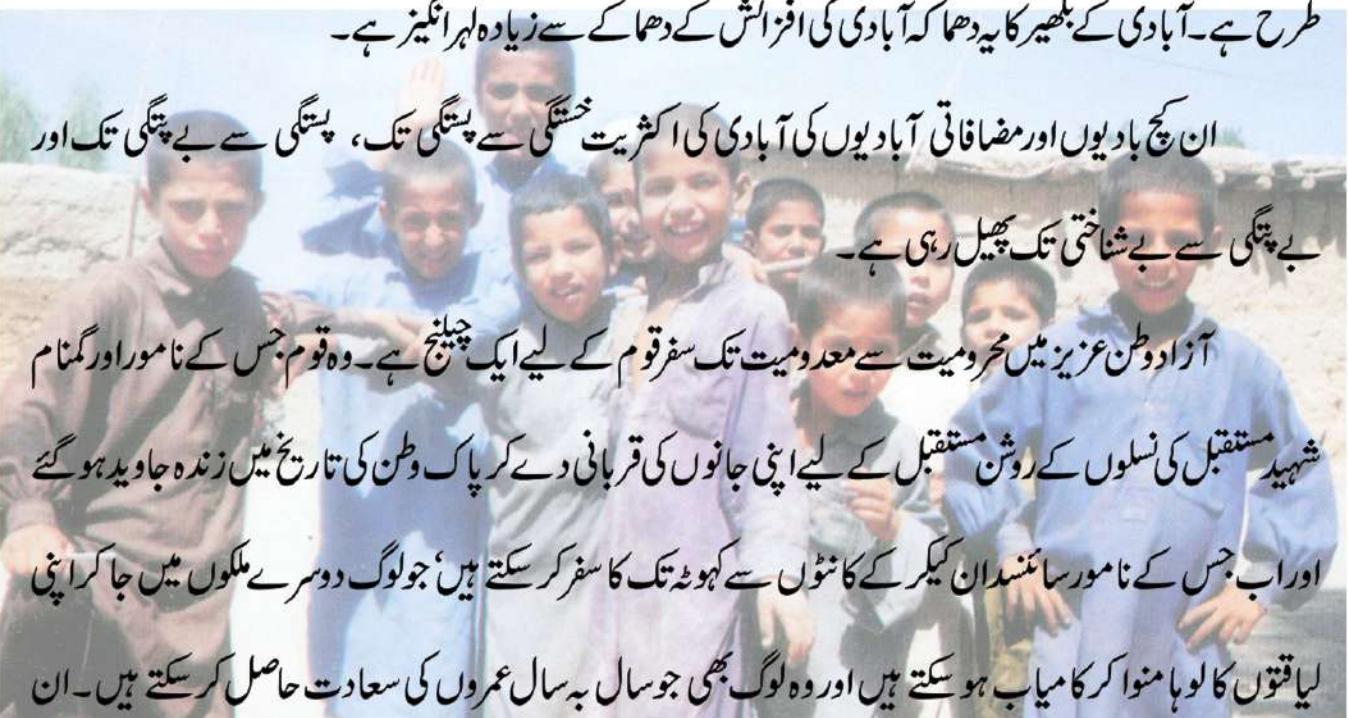
شعبہ تحقیق: سلطانہ فاؤنڈیشن، فراش ہاؤس، لہر ایروڈ، اسلام آباد

قوم کے بچوں کے سال

2016-2020

وقت کا چیلنج، بے شناخت بچے

سلطانہ فاؤنڈیشن کا فوکس ان کمزور لوگوں پر مرکوز ہے جن میں اکثریت ہمارے مستقبل کی نسل یعنی بچے، بال، نوجوان شامل ہیں جو نہ صرف کمزور رہ رہے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اپنی شناخت کھو چکے ہیں۔ وہ دیہاتوں میں اور شہری مضافات کی کچ بادیوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کچ بادیوں کی ساخت اور شناخت ایک تاریک رات کی طرح ہے۔ آبادی کے بکھیر کا یہ دھماکہ آبادی کی افزائش کے دھماکے سے زیادہ لہرائیز ہے۔



ان کچ بادیوں اور مضافاتی آبادیوں کی آبادی کی اکثریت خستگی سے پستگی تک، پستگی سے بے پستگی تک اور بے پستگی سے بے شناختی تک پھیل رہی ہے۔

آزاد وطن عزیز میں محرومیت سے معدومیت تک سفر قوم کے لیے ایک چیلنج ہے۔ وہ قوم جس کے نامور اور گمنام شہید مستقبل کی نسلوں کے روشن مستقبل کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دے کر پاک وطن کی تاریخ میں زندہ جاوید ہو گئے اور اب جس کے نامور سائنسدان کیکر کے کاثٹوں سے کھوٹہ تک کا سفر کر سکتے ہیں، جو لوگ دوسرے ملکوں میں جا کر اپنی لیاقتتوں کا لوبہ منوا کر کا میا ب ہو سکتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو سال بہ سال عمروں کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ ان

سب کو اپنے اردوگرد انسانوں کو بھی اپنی کامیابیوں میں شامل کرنا ہو گا۔

اس وقت ہمارے نزدیک اہم ترین چیلنج ہمارے معاشرے میں ہمارے آن گنت بچوں کی شکستگی کے علاوہ بے شناختی ہے۔ ہماری مستقبل کی نسل کی یہ شکستگی اور بے شناختی ان خوبصورت بچوں کی حق تلفی تو ہے، ہی لیکن ساتھ ساتھ معاشرے کے جسم پر ایک ایسا پھوڑا ہے جو معاشرے کے سارے جسم کو نابودگی کی طرف لے جا رہا ہے۔

(ڈاکٹر نعیم غنی)

”سلطانہ مشن“ کی مختلف سرگرمیوں کی تصویری جھلکیاں



سلطانہ فاؤنڈیشن، فاطم غنی کا لئے آف ایجنسیشن کے زیر اہتمام سکالر شپ امتحان جماعت پنج اور ہشتم برائے تعلیمی سال 2019-2020 میں چیئرمین ڈاکٹر یحییٰ غنی، وائس چیئرمین ٹکنیکی امور انجینئرنگز عزیز غنی اور ڈاکٹر یحییٰ میمن ڈاکٹر یحییٰ غنی، پروفیسر اے ذی خان کے ہمراہ امتحان کے دوران وزٹ کرتے ہوئے



سلطانہ فاؤنڈیشن، جشن یوسف صراف سینٹر کے زیر اہتمام سالانہ پسپورٹس دیکی احتیاطی تقریب میں معزز مہماں، چیئرمین ڈاکٹر یحییٰ غنی، انجینئرنگز عزیز غنی، ڈاکٹر یحییٰ غنی اور پہلی غزال خالد کوچیاں پھولوں کے ہمراہ خوش آمدید کتے ہوئے



سلطانہ فاؤنڈیشن، جشن یوسف صراف سینٹر کے زیر اہتمام سالانہ پسپورٹس دیکی احتیاطی تقریب میں پیٹی شوکرتے ہوئے



سلطانہ فاؤنڈیشن، بیکش چلڈرن سکول، بیکش Disability پڑھیاں پر طلباء طالبات مختلف میلوپیش کرتے ہوئے

امپیشن
فوری 2020ء

”سلطانہ مشن“ کی مختلف سرگرمیوں کی تصویری جھلکیاں

امپیشن
فوری 2020ء



اس شمارے میں

بے سکول بچے

یہ عنوان کن بچوں کے لئے ہے!

4

ان کچ بادیوں، مضافاتی آبادیوں میں اکثریت خستگی سے پستگی تک، پستگی سے بے پتگی تک اور بے پتگی سے بے شناختی تک پھیل رہی ہے۔ آزاد وطن عزیز میں محرومیت سے معدومیت تک سفر قوم کے لیے ایک چیلنج ہے۔ (ڈاکٹر نعیم غنی کا ادارہ)

2	ڈاکٹر نعیم غنی	پیغام
9	جی ایم صدیقی (مرحوم)	شخصیت
19	لین یوتاک	جبہ، داش، جرات
21	ندیم احمد لطیف	ڈوڈلڈر مپ
28	عالیہ یثین	کم از کم بنیادی ضروریات
35	سمعیہ صادق	کروناوارس
45	شعبہ جاتی روپوں	فاؤنڈیشن نامہ
48	مخیر خواتین و حضرات	عطیات

2016-2020

قوم کے بچوں کے سال

خط و کلمات ماہنامہ امید: شعبہ تحقیق، سلطانہ فاؤنڈیشن، فراش ٹاؤن، لہر اڑروڈ، اسلام آباد

پی او بکس 2700، اسلام آباد

فون: 6-2618201-051

Email: sultana_foundation@yahoo.com

Website: www.sultanafoundation.org

قیمت: 50 روپے سالانہ 600 روپے (جمع ڈاک خرچ)

تعلیم و تربیت اور فکری میدان میں رہنمای میگرین



شمارہ نمبر 9 فروری 2020ء جلد نمبر 20

پیٹریو ایڈیٹر: ڈاکٹر نعیم غنی

کریٹریو ایڈیٹر: حسن نعیم غنی

ایڈیٹر میل بورڈ

ڈاکٹر انعام الرحمن

سینیٹر رزینہ عالم

میاں محمد جاوید (سابق چیئرمین پیٹی سی ایل، پیرا)

جبار مرزا (کالم نگار، مصنف)

مرزا محمد ریاض بیگ راج (کالم نگار، سابق ایڈیٹر ایکسپریس)

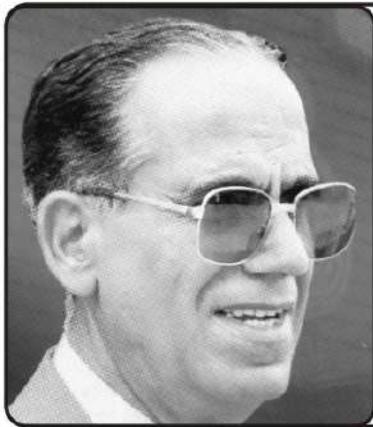
ندیم احمد لطیف: ڈپٹی ایڈیٹر:

رفعت رشید: استاذ ایڈیٹر:

غزالہ سرور، محمد پرویز جگوال: ریسرچ:

کپوزنگ اینڈ ڈیزائنگ: ندیم احمد اعوان

مری دی پبلیشور، ڈاکٹر نعیم غنی نے خورشید پرائز، اسلام آباد سے چھپا کر ماہنامہ "امید" سلطانہ فاؤنڈیشن، فراش ٹاؤن، لہر اڑروڈ، اسلام آباد سے شائع کیا، ایڈیٹر



تجزیہ

ڈاکٹر نعیم غنی

جا گنے کا وقت

قومی سطح پر ہمیں

اپنی سوچ کو اہمیت دینا ہے۔

معاشرتی نشوونما کے لئے سماجی Themes کا تعین کرنا ہے۔

موجودہ حالت میں قوم صرف اردوگرد یا دور واقعات کے زبانی ر عمل کو تغیر پا کستان کے لئے کافی سمجھ رہی ہے۔ سب سے زیادہ اہم عنصر یہ ہے کہ نسل کی ذمہ دارانہ سوچ اور صلاحیتوں کی نشوونما میں پوری ذمہ داری لینا ہے اور چیلنجز کو سمجھنا ہے۔

دنیائے پاکستان کے لئے عالمی چیلنجز جو اڑدھاؤں کی شکل اختیار کر چکے ہیں ان میں

0 سرمایہ داری نظام کا استبداد و معاشی افتراق

0 لبرلزم کی ثقافتی یلغار

0 ٹیکنالوجی کا فساد

0 جعلی خبروں کی وباء

0 انسانی پیدا کر دہ بہلاتی تشدد و جنگ

0 ماحولیاتی آسودگی و موسمیاتی تبدلیاں شامل ہیں۔

قسمی چیلنجز جو فوری توجہ طلب ہیں ان میں

0 آبادی کا ڈھیر و بکھیر

0 تعلیمی نظام کی مکمل تنظیم نو

- 0 بنیادی انفارسٹر کچھ کی منصوبہ بندی کا فقدان
- 0 حکومتی انتظامی ترجیحات کی کنفیوژن
- 0 معاشی بے اختیاری
- 0 سیاسی بے یقینی
- 0 میڈیا کبائر کی یلغار

یقیناً یہ قوم کے لئے جاگنے کا وقت ہے۔

عالمی قوتیں جن جگہ بندیوں سے وطن عزیز کے اختیارات کو نقصان پہنچا رہی ہیں ان کے سامنے قوم کی بے بسی تو سمجھی جاسکتی ہے لیکن جس طریقہ سے عالمی طاقتلوں کے مقامی آلہ کاروں نے قومی جسم کو مجرموں اور معدود کیا ہے وہ المناک ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ ان آلہ کاروں نے اپنے مصلحتوں کے لئے 22 کروڑ عوام کی زندگیوں کو بے حیثیت کر دیا ہے۔ ان اندر ورنی آلہ کاروں کے گھٹ جوڑ نے ملک کے سیاسی نظام کو اکھاڑ کے رکھ دیا ہے اور اس کو اس قدر بے حال کر دیا ہے کہ آج 2020 میں ملک کا معاشی نظام مکمل طور پر بے سمت ہو چکا ہے اور اپنے سیاسی معاشی ڈھانچے کو بڑے بڑے تجارتی کارٹیلز کے اور درآمدی برادری کے قزاقوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

وطن عزیز کے 90 بیصد عوام اور ان کے بچوں کے لیے باعزت زندہ رہنا محال کر دیا گیا ہے۔

وطن عزیز کو جونقصان اندر ورنی آلہ کاروں نے پہنچایا ہے اتنا نقصان غالباً بیرونی فیصلہ کاروں نے نہیں پہنچایا ہوگا۔

ان اندر ورنی آلہ کاروں نے ملک کی عوام کو بے حیثیت بنانے میں برابر کا حصہ ڈالا ہے اور صرف ذاتی مصلحتوں کے لئے وطن عزیز کے نظام ریاست کو اکھاڑ کے رکھ دیا ہے اور ریاست کی شہرت کو بدنام اور بے وقار کر کے وطن عزیز کے مختنی اور مخلص عوام کو بے یقینی کی حالت میں دھکیل دیا ہے اور قوی جوڑ کے آپشنز کو ختم کر دیا ہے۔ *



بے سکول بچے

یہ عنوان کن بچوں کے لئے ہے!

ڈاکٹر فتحم غنی

سلطانہ فاؤنڈیشن کا فوکس ان کمزور لوگوں پر مرکوز ہے جن میں اکثریت ہمارے مستقبل کی نسل یعنی بچے، بال، نوجوان شامل ہیں جونہ صرف کمزور رہ رہے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اپنی شناخت کھو چکے ہیں۔ وہ دیہاتوں میں اور شہری مضافات کی کچ بادیوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کچ بادیوں کی ساخت اور شناخت ایک تاریک رات کی طرح ہے۔ آبادی کے بکھیر کا یہ دھماکہ آبادی کی افزائش کے دھماکے سے زیادہ لہر انگیز ہے۔

ان کچ بادیوں، مضافاتی آبادیوں میں اکثریت خستگی سے پستگی تک، پستگی سے بے پستگی تک اور بے پستگی سے بے شناختی تک پھیل رہی ہے۔ آزادوطن عزیز میں محرومیت سے معدومیت تک سفر قوم کے لیے ایک چیلنج ہے۔

تمام 5-16 سال کی عمر کے بچے اور بال جو گلیوں میں پھر رہے ہیں یا مشقتوں اعمال سے پل رہے ہیں۔ ان کو بے سکول بچے کا نام دیا گیا ہے۔

وطن عزیز کی آبادی جو کہ 12 ویں صدی کی دوسری دہائی کے اختتام پر 22 کروڑ نفوس سے تجاوز کر گئی ہے، اس میں 7 کروڑ 5-16 سال کے بچے اور بال ہیں جن میں 3 کروڑ بچے اور بال بے سکول ہیں جن کے لئے کوئی تعلیمی سہولت موجود نہیں ہے۔ یہ تین کروڑ بچے لا تعداد اصناف اور اقسام میں ہمارے اردو گردeman کا ۱۱ ہم ترین جزو ہیں۔

ان میں جو اوصاف مشترک ہیں ان میں ہر سطح کی غربت، خاندانی تعلیمی کی اور بال سے بالغ ہونے تک کی عمر میں ہنرمندی یا خدماتی مہارت کی سکھلانی کے رسمی موقع کا فقدان شامل ہے۔

یہ بچے اور بال معاشرے کے گھٹیا درجہ کے جسمانی کام کر کے اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے افراد کو زندہ رکھنے میں اپنا

حصہ ڈالتے ہیں۔ بہت دفعہ یہ کام گھر کے ماحول سے دور غیر محفوظ، سماجی رہائشی ماحول میں محنت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ دکانوں میں، ہوٹلوں میں، قہوہ خانوں میں لوگوں کی خدمت یا بازاروں میں، منڈیوں میں خریداروں کا سامان اٹھانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا پھر چوکوں میں کھڑی کاروں میں اشراف سے خیرات کے لئے کچھ بچے ہاتھ پھیلاتے نظر آتے ہیں۔ بچے بال کی اشرافی گھریلو ملازمت بھی ایک باقاعدہ پیشہ ہے۔ نسائی گھریلو ملازمات اپنے ساتھ اپنی بچیوں اور بالیوں کو صفائی دھلانی کے کام کے لئے لے جاتی ہیں یا وہاں رکھتی ہیں۔

پکے بچے اور بال گاڑیوں کے مرمتی اور مکینکی کاموں میں اکثر دیکھے جاتے ہیں جہاں وہ معمولی معاوضے کے بد لے کام سکھتے ہیں جو کئی سالوں تک محيط ہو سکتا ہے۔ ماں باپ بے سکول بچوں اور بالوں کو درزی یا کڑھائی کے کام سکھنے کے لئے کسی استاد درزی کا شاگرد بٹھا دیتے ہیں جہاں ان کی سکھنے کی رفتار سالوں پر پھیلی ہوتی ہے اور معمولی معاوضے کے عوض انہیں کم سے کم 10-12 گھنٹے روزانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر شہر میں ہزاروں بچے کوڑے کے ڈھیروں سے کاغذ اور دوسری اشیاء، جو قابل استعمال بنائی جاسکتی ہیں، اکٹھی کرتے ہیں۔ ممکن ہے آج یہ بچے اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کے لئے بنیادی ضروریات میں چند روپوں سے کچھ حصہ داری ڈال رہے ہوں لیکن ان کا مستقبل کیا ہے اور ان بے تعلیم بے ہنزا ج کے بچے کل کے بال اور آئندہ کے بالغ شہریوں سے کس قسم کی قوم بننے گی، اس کا جواب کسی سماجی سائنسدان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ سامنے دیوار پر لکھا ہے۔ دہائیوں کی غفلت کے نتائج آج پاکستانی معاشرے میں ہم بھگلت رہے ہیں۔ واضح رہے کہ جن بچوں اور بالوں کو ہم علم اور ہنر کی طاقت سے لیس نہیں کر رہے وہ کل معاشرے میں اسلحہ کی طاقت سے لیس ہوں گے اور اپنی زندگیوں کو گزارنے یا تباہ کرنے میں ہر منکر سماجی عمل کا وسیلہ بنتے رہیں گے۔ ہمارے سماجی اندر وہی اور بیرونی دشمن انہی بچوں کو معاشرتی امن و امان کو غیر مستحکم کرنے کے لئے آسانی سے استعمال کر سکیں گے اور کہ بھی رہے ہیں۔

کسی انسان کا سب کا قیمتی اثاثہ اس کی عزت نفس ہے اور اس کے بعد اس کا قیمتی سرمایہ اس کی شناخت ہے۔

معاشرے میں سکولی عمر کے 3 کروڑ بچوں کی عزت نفس کو مسلسل دیا گیا ہے اور ان کو بے شناخت بنا دیا گیا ہے۔ وہ ہمارے سامنے، ہمارے ارگردم موجود ہیں لیکن وہ ہماری نظروں سے او جھل اور ہمارے دماغوں میں ماؤف ہیں۔ وہ ہماری زندگیوں کی ترجیحات میں کہیں ہیں، ہی نہیں حالانکہ ان میں سے بہت سارے بچے ہماری زندگیوں میں ہمیں سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔ بازاروں میں چندروپوں میں ہمارا خریدا ہوا سامان اٹھاتے ہیں۔ کئی ہمارے گھر میں کام کرتے ہیں۔ کئی مشقتوں کام کر کے اپنے بہن بھائیوں کی کفالت کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ اللہ کی باعزت مخلوق کے طور پر ہمارے ذہنوں سے غائب ہیں۔

ہمارے بچے، ہمارا مستقبل

- ساری قوم کے بچے ہمارے ہیں، ہم نے ہی انہیں پڑھانا ہے، سکھانا ہے۔
- آج کے بچے ہمارا کل ہیں، ہمیں اپنے کل کو سنوارنا ہے، آج کے بچوں کی تربیت کرنی ہے۔
- ایک بچے کی ہمہ جہتی نشوونما کے لئے ہماری ذمہ داریاں ہیں، ریاست، معاشرہ، محلے دار، رشتہ دار، اساتذہ، میڈیا سب نے حصہ ڈالنا ہے۔ ان میں سماجی اور اخلاقی قدروں کی نشوونما ہم نے خود کرنی ہے۔
- بچوں کے فرائض نہیں ہوتے، صرف حقوق ہوتے ہیں۔ خوشگوار گھر بیو ما حول، متوازن خوراک، شفقت کرنے والے ماں باپ اور اساتذہ بچوں کا حق ہے۔
- بچوں میں ذہانت خالق کی عطا کردہ قابلیت ہوتی ہے۔ اس قابلیت کو کردار اور شخصیت کے نکھار کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

علم حاصل کرنے کے موقع مہیا کرنا اور بچوں میں اس حق کی فرضیت پورا کرنا قوم کے بالغ افراد کی ذمہ داری بنتی ہے۔ سلطانہ فاؤنڈیشن مشن کا ایمان ہے کہ وطن عزیز کا مستقبل افراد کی تعمیر میں ہے جس میں مستقبل کی نسل کی تعلیم و تربیت اولین ترجیح ہے اور اس میں ان بے سکول بچوں کی نشوونمائی ذمہ داری پہلی فرضیت کے درجہ پر آگئی ہے۔

صحح کا ایک منظر نامہ

صحح صبح ایک طرف وہ بچے ہیں جو اپنے بستوں کے ساتھ سکول جا رہے ہوتے ہیں یا لے جائے جا رہے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف وہ بچے ہیں جو مشقت کے لئے دکانوں و رکشاپوں، منڈیوں میں اور کئی اپنی روزی کمانے کے لئے کوڑے کی ڈھیروں میں پہنچ رہے ہوتے ہیں۔

بچالیں ان بچوں کو

- بچالیں ان بچوں کو جن کو برابر تاریکی کے کنویں میں دھکیلا جا رہا ہے۔
- سن لیں ان معصوموں کی خاموش آہیں جوارض پاک کی محبت میں گانے گاتے ہیں۔
- بچالیں ان بچوں کو جو چورا ہوں میں کھڑی ہونے والی کاروں کے شیشے صاف کرتے ہیں۔

اور بچالیں اپنے آپ کو بچوں کی بد دعاؤں سے

کیونکہ بچے ووٹ نہیں دے سکتے، قانون نہیں بناسکتے، اس وقت کے بالغ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کر سکتے ہیں ان کو معدود رہنا سکتے ہیں، ان کے خدا تعالیٰ سے ملے ہوئے حق حیات اور حق نشوونما سے محروم (deprive) کر سکتے ہیں۔

یہ بچے اگر چہ کچھ کرنے سکتے لیکن وہ وقت کے با اختیار لوگوں کے لئے بد دعائیں دے سکتے ہیں۔ وہ ان سے روار کھے گئے غلط سلوک کو بھی معاف نہیں کر سکتے اور ان کے بدله میں خدائی نظام ان کو اس حق تلفی کی سزادے گا۔ آج کے بے اختیار لوگوں کی بد دعائیں اوپر والاں رہا ہے۔

حالات سے مجبور بچوں کے ساتھ نا انصافیوں کی قیمت

معاشرے کے وہ بچے جو آپ کی کاروں کے شیشے کھکھلاتے آپ کی درازی عمر کی دعا میں دیتے ہیں کیا یہ ان کے دل کی آوازیں ہیں؟ جب یہ بچے بڑے ہو کر آپ کے سامنے ہوں گے باوجود ان کی خاموشی کے ان کے دل کے اندر آپ کے لیے نفرت کا ایک سیلا ب ہو گا جو آپ کے نفاق کو ڈبودے گا۔ آپ کا یہی نفسیاتی خوف ان کے تعلیم سے نکھرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آپ حالات سے مجبور بچوں کو لا شعوری یا شعوری طور پر سماج کی نا انصافی سے نہیں بلکہ اپنی بے حسی سے مساوی کیوں نہیں کرتے۔

لیکن زمانہ آخری حقیقت ہے۔ ان بچوں کی بے بسی نہیں یہ آپ کی کندولی ہوتی ہے اور آپ کی یہ حالت باوجود ہر مادی تحفظ کے آپ کو غیر مطمئن حالت میں رکھتی ہے۔ ان بچوں کے پاس کوئی چیز نہیں جسے کھو دینے کا نہیں ڈر ہو لیکن آپ ہر وقت اپنی اشیا کی ملکیت کو کھو دینے کے ڈر میں بنتا رہتے ہیں۔

یہ آپ کی حالت خوف ہی آپ کی ان مجبور بچوں کے ساتھ نا انصافیوں کی قیمت ہوتی ہے۔

بے سکول بچے پاکستان کی جان

سکولی بچے پاکستان کی شان

ہر شہری عظمت پاکستان کا نشان

پاکستانی قوم پائندہ باد

پاکستان زندہ باد ✨



گروپ کیپٹن (ر) جی ایم صدیقی (مرحوم) کی شخصیت و خدمات

ولادت: 1927 جون 13، وفات: 2020 جنوری 13

مرحوم صدیقی صاحب کی رفاقت میرے لئے باعث شرف رہی۔ 1982 سے حلقہ اصلاح فکر کی فلکی سماجی مجالس کے روح رواں رہے۔ 1990 سے سلطانہ فاؤنڈیشن کے مثالی بانی ممبر تھے اور 2002 میں اپنی عائی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے کراچی منتقل ہو گئے لیکن سلطانہ فاؤنڈیشن کے لئے ان کی رہنمائی مسلسل جاری رہی۔ انہوں نے سلطانہ فاؤنڈیشن کے ڈپارٹمنٹ آف پروفیشنل اینجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کی بنیاد رکھی اور اسے ایک مثالی انسٹی ٹیوٹ آف سکنر ڈیوپمنٹ بنادیا۔ مرحوم صدیقی صاحب نے پاکستان ائیر فورس کے ایرونائزکل کمپلیکس کا مرہ کی بنیاد رکھی جو آج میں الاقوامی حوالہ کا مرکز بن چکا ہے۔ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ انہی شفیق انسان اور مخلص ساتھی تھے۔ (ڈاکٹر نعیم غنی، چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن)

تاثرات: واصف احمد صدیقی

میرے بھائی جان جی ایم صدیقی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی خوبیوں کو میری بیٹی ثوبیہ واصف اکرام نے جو کہ کینیڈا میں ہے، چند الفاظ میں سmodیا ہے:

شفیق مہربان بہت ملمسار
میں ذکر کروں کیسے کہ وہ گن تھے ان گنت
اصولوں کے پابند، وقت کے قدردان،
نظر تھی افق پر، قدم تھے زمیں پر
بڑا ہو کہ چھوٹا، سمجھی تھی داماں
کہ وہ جو منتظر تھا، ہے منزل روانہ
وہ کون کہے گا اب یہ، ویکلم بیٹا ویکلم

کہ میں چوک جاؤں تو کال ان کی آئے

ہر ایک قدم پر وہ مشق سایہ

وہ اک کم ہوئی چادر جو مجھ پہنچی

میں یاد میں گم ہوں، نظر ڈھونڈتی ہے

مگر شاید کوئی کل مجھ کو یوں دیکھے

وہ ساری محبت، اقدار خلوص و اخلاق

وہ رشته نبھانا، وہ تکلیف ہٹانا

بنانے کے دوسرا کی ضرورت سمجھنا

وہ اپنے سے بڑھ کے دوسرا کے لئے کرنا

میں دعا یہ کروں گی مجھ کو عطا ہو

تیری خوش خلقی کی اک پر چھائیں

تیرے حقوق العباد کو نبھانے کی عادت

تیری اخلاص سے ملنے کی خصلت

ایک مثل مشہور ہے ہونہا بروادا کے چکنے چکنے پات، یہ مثل بھائی جان پر پوری اترتی ہے۔ وہ بہت ہی ہونہا طالب علم تھے۔

پرانگری سکول کی تعلیم والد کے بنائے ہوئے گاؤں کے سکول میں حاصل کی۔ ٹول سکول اپنی ہی زمین پر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ سکول اچھے نمبروں سے پاس کیا اور پھر ہائی سکول فتح پور سے کیا۔ پورے یوپی سے لاکھوں لڑکوں میں یہ اکلوتے مسلمان لڑکے تھے جنہوں نے پانچویں پوزیشن اور وظیفہ لیا۔ قوت برداشت بہت تھی۔ ایک دفعہ کسی بات پر میں ناراض ہو گیا اور ٹوائے گن سے ان کے پیپٹ پر زور سے مارا۔ وہ پیپٹ کپڑ کر بیٹھ گئے۔ بدله نہیں لیا۔

ایف ایس سی 1945 میں علی گڑھ سے کیا اور پھر پوزیشن لی انجینئرنگ کالج میں ان کا نام سرفہرست تھا۔ میرے والد کا

1944 میں انتقال ہو چکا تھا جس کی وجہ سے مالی وجوہات سے انجینئرنگ میں داخلہ نہ لے سکے۔ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں

بی ایس سی (فرزکس، کیمیسٹری، ریاضی) میں داخلہ لے لیا۔ ایم ایس سی کے بعد ان کا گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں بحثیت پیچھے رار فرکس تقریر ہو گیا۔ وہاں سے انہوں نے پاکستان ائیر فورس کے مقابلے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور تربیت کے لئے انگلینڈ گئے۔ ائیر فورس میں انہوں نے کامرہ کمپلیکس کی بنیاد رکھی جہاں اب جہاز بن رہے ہیں۔ متعدد عرب امارات کے شاہی مہماں رہے اور ان کی فضائیہ کے لئے نہایت دیانت داری سے اربوں روپے کے میراج جہاز کا سودا کیا۔ اردن کی فضائیہ کی جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے از سر نو تعمیر کی۔ شاہ حسین کے پر زور اصرار پر کئی سال وہاں قیام کیا اور خصوصی ایوارڈ حاصل کئے۔ 1946ء میں جب میں میٹرک میں پڑھر ہاتھا بھار میں فسادات ہوئے۔ مسلم لیگ کے رضا کار جار ہے تھے۔ میں نے ارادہ کیا تو بھائی جان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے میرے جذبہ کی بہت تعریف کی اور سمجھایا کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو۔ ایسے رضا کارانہ کام کے بہت موقع آئیں گے۔ پاکستان بنانے کے سلسلے میں ڈاکٹر ضیاء الدین نے علی گڑھ یونیورسٹی کو تین ماہ کے لئے بند کر دیا۔ تمام طالب علموں کو انڈیا میں ایکشن کمپین (Campaign) چلانے کے لئے روانہ کر دیا۔ بھائی جان نے عبدالقیوم خان اور عبدالرب نشر کی سرحد میں ایکشن کمپین کروائی۔ گولیاں بھی چلیں کچھ لڑ کے زخمی بھی ہوئے، یہ دونوں جیت گئے۔ اسی طرح سندھ میں جی ایم سید اور ممتاز کھوڑو کے ایکشن میں حصہ لیا۔ اونٹوں پر سوار ہو کر دیہاتوں میں لڑ کے جاتے تھے۔ وہ بھی جیت گئے۔ میری تعلیم میں انکا بہت بڑا کردار تھا۔ اگر وہ مدد نہ کرتے تو میں اس مقام پر نہ ہوتا۔ میں نے اپنی تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے ٹیوشن کر کے مجھے سپورٹ کیا۔ پاکستان میں ملازمت حاصل کرنے میں وہ بہت مددگار رہے۔ وہ بہت ہمت بڑھاتے تھے اور اسکا لرشپ کے لئے مقابلہ میں بیٹھنے کے لئے تاکید کرتے تھے۔

1957ء میں میرا سلیکشن برما آئل کمپنی کی طرف سے امپیریل کالج میں پیٹرولیم ریزروائرنجینئرنگ پڑھنے کے لئے ہو گیا۔ یہ ان کی حوصلہ افزائی تھی۔ میں امریکہ فل برائیٹ اسکالر شپ پر ایم ایس سی کرنے گیا۔ میری پڑھائی کے دوران میری فیملی ان کے ساتھ رہی۔ وہ دوسروں کی مدد بڑھ چڑھ کر کرتے تھے۔

مشرقی پاکستان میں ایک خاندان کے تمام مردوں کو ملتی بانی والے اٹھا کر لے گئے اور آج تک پتہ نہیں چلا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ تب صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ جب بھائی جان کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرقی پاکستان میں اپنے ساتھیوں سے کہہ کر ان

کو رسکیو کرایا اور وہ کھمنڈ سے ہوتے ہوئے پاکستان آگئے۔

وہ تعلیم کے بہت بڑے علم بردار تھے۔ 1971 کی جنگ کے بعد مشرقی پاکستان کے خاندانوں کی پاکستان میں خستہ حالت تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر خاندان سے ایک لڑکے کو اچھی تعلیم سے آراستہ کر کے اپنے پیروں پر کھڑا کیا جائے۔ میں ان کے شانہ بشانہ شامل رہا یہ لڑکے چار ٹڑا کا وظیفہ اور مینجنمنٹ میں آگے بڑھے اور اپنے گھروں کے سرپرست بنے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ زندہ رہے اور اپنے اس بکھر دوسروں پر لگا دیا۔

سلطانہ فاؤنڈیشن میں انہوں نے مال کے ساتھ اپنے وقت کو وقف کیا اور ٹیکنیکل انٹیٹیوٹ کی قیام میں سرکردہ رہے۔

سلطانہ فاؤنڈیشن میں ایک بلاک ان کی زندگی میں ہی ان کے نام سے قائم کر دیا گیا۔

بھائی جان 13 جنوری 2020 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

تأثرات : انوار الاسلام قریشی، پیغمبر راردو، پنس سلمان کالج آف پروفیشنل ایجوکیشن سلطانہ فاؤنڈیشن

”بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“ (القرآن)

”اور اللہ تعالیٰ بُلَا تا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھاتا ہے جسے چاہے راہ سیدھی۔“ (القرآن)

انتقال پر ملال

(علم رنج و غم و قلق)

در حقیقت مالک ہر شے خدا است

اين عمارت چند روزہ زير ما است

قرآنی حکم کے تحت اپنے اندر ان گنت خوبیاں رکھنے والی ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت کے مالک، اخلاقی، علمی، سائنسی اور روحانی اور صاف سے متصف، کریم نفس انسان محترم غلام محمد صدیقی صاحب 13 جنوری 2020 کو رہی عالم بقا ہو گئے۔ کراچی میں تجھیز و تکفین ہوئی (إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) غلام محمد صدیقی کیم جولائی 1927 کو اس کائنات ارضی میں آفرینش ہوئے۔ یوں تو آپ کے بے شمار کارہائے نمایاں ہیں جنہیں چند الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، تا ہم رقم الحروف نے ان کے ساتھ زندگی کے جو لمحات گزارے ہیں انہیں

اجمالاً قارئین کی نذر کرتا ہوں تاکہ ان کی حیات کے چند اہم گوشوں کو نمایاں کیا جاسکے۔

غلام محمد صدیقی صاحب 1982 سے حلقہ اصلاح فلکر کی مجالس سے وابستہ رہے۔ ان کی محترم ڈاکٹر نعیم غنی صاحب چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن سے گھری رفاقت رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ہم جلیس خاص ہونے کی نسبت سے انہیں حلقہ اصلاح فلکر کے روح روادہ ہونے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔ 1990 میں اسی جذبہ صادق کو بروئے کار لائٹ ہوئے جی ایم صدیقی صاحب نے باضابطہ طور پر سلطانہ فاؤنڈیشن (ٹرست) کی ممبر شپ اختیار کی اور پنس سلمان کالج آف پروفیشنل ایجوکیشن اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی۔ آپ پاکستان ایئر فورس سے مسلک رہے اور اپنی خداداد تخلیقی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا خوب لوہا منوا یا اور بحیثیت گروپ کیپٹن خدمات سرانجام دیں۔ وہ سلطانہ فاؤنڈیشن کے ڈائیریکٹر کا لجز رہے۔ تا ہم 2002 میں وہ اپنی عائلی و خاندانی ذمہ داریوں کو بھانے کے لئے کراچی منتقل ہو گئے۔ باس ہمہ وقتاً فوقتاً ان کا رابطہ سربراہ ادارہ محترم ڈاکٹر نعیم غنی صاحب کے ساتھ بدستور رہا اور اپنی بولمنوں مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کئی دفعہ سلطانہ فاؤنڈیشن کا دورہ بھی کیا اور اپنی مخلصانہ آراء و تجویز سے نوازتے رہے جو ادارے کی تعلیمی، فنی، سائنسی، فلکری اور ٹیکنیکل ترجیحات و توسعات میں مددگار ثابت ہوتی رہیں۔

رقم الحروف نے جناب غلام محمد صدیقی صاحب کے ساتھ PSCPE میں بطور لیکچرر 1997 میں کام کا آغاز کیا۔ دوران سروس میں نے انہیں انتہائی مخلص، ملمسار، مشفق، غریب پرور، با اخلاق، مونس اور محنتی شخصیت کا حامل پایا ہے۔ آپ نے سلطانہ فاؤنڈیشن کے کارخیر میں ایک رضا کار مجاہد کی طرح اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ شاعر مشرق نے گویا ایسی ہی ہستیوں کے متعلق کہا ہے کہ

ہزار و سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وہ ایک فرشتہ سیرت انسان تھے جن کے متعلق جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و کرم تھا۔ دعا ہے کہ رب العالمین جی ایم صدیقی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے اہل خانہ، پسماندگان کو یہ الیہ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق بخشے۔ زندگی میں بتقا ضائے بشریت ہونے والی

لغزشوں، کوتا ہیوں، سینات اور خطاوں کو معاف فرمائے، ان کے شروع کئے ہوئے اعمال خیریہ و حسنہ کو بطور صدقہ جاریہ قبول فرمائ کر تا قیامت اجر عظیم سے نوازے، انکی قبر کو بقعہ نور بنائے، عالم بزرخ سے لیکر عالم آخرت اور دخول جنت تک کی تمام منازل آسان فرمائے، بروز محسراً خحضور رسالت مآب ﷺ کی شفاعت کبریٰ اور حوض کوثر پر جام کوثر پینا اور جنت فردوس میں داخلہ نصیب فرمائے، لواحقین کو صبر پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمين ثم آمين۔

سلطانہ فاؤنڈیشن میں 13-01-2020 کے لیے اجتماعی ڈعاۓ مغفرت بھی کو کرانی گئی جس میں PSCPE کے طلباء نے بھی شرکت کی۔

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

محترم صدیقی کے مثالی اخلاص کے پیش نظر، چند اشعار

صیاد کو ممکن ہے ہما ہاتھ لگے

پھیلائے محبت سے جو دام اخلاص

حاجت نہیں اخلاص کی کچھ بعد فنا

قام کرو ہستی میں نظام اخلاص

شیرینی گفتار پہ حرمت کیسی

ہے گفتہ رحمٰن کلام اخلاص

سوگواران

بورڈ آف ڈائریکٹرز و جملہ شاف

سلطانہ فاؤنڈیشن اسلام آباد

تاثرات: ڈاکٹر تو قیر الدین (پنسپل سائنسٹ)

(سابق یونیورسٹی پرسنل اجوبہ کیشن، سلطانہ فاؤنڈیشن)

آج ہی اپنے ایک عزیز دوست کی وساطت سے یہ افسوسناک خبر ملی کہ ہمارے اس علاقہ کے محسن و مرتبی اور پنس سلمان کالج سلطانہ فاؤنڈیشن کے بانی گروپ کیپٹن (ر) جی ایم صدیقی صاحب اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ یہ خبر سننے ہی میرے ذہن میں فلم کی طرح وہ تمام واقعات اور اسباق چلنے لگے جو میں نے جناب صدیقی صاحب کی زیر سر پرستی کام کرتے ہوئے دیکھے سیکھے تھے۔ ہمارے علاقے پر آج سے کم و بیش 25 برس قبل جواہسان صدیقی صاحب نے تعلیمی میدان میں کیا اس کا علم شاید بہت سے لوگ نہ رکھتے ہوں کیونکہ وہ ایک ایسے انسان تھے جن کو کام اور خدمت سے لگن تھی لیکن نہ نہ نہ نہ نہ نہ نہ تھے۔ مجھے صدیقی صاحب کی رفاقت میں جو کام کا موقع ملا اور جو میں نے ان سے سیکھا وہ آج بھی زندگی کی دوڑ دھوپ میں ایک روشن چراغ کی رہنمائی دیتا ہے۔ انہوں نے اس علاقے میں اس وقت فنی اور عمومی تعلیم کے دروازے کھولے جس وقت یہاں میٹر کرنے کے بعد طلباء کی اکثریت صرف اس وجہ سے پیچھے رہ جاتی تھی کہ کوئی مناسب تعلیمی سہولیات میسر نہ تھیں۔ انہوں نے مجھے کئی پودے لگائے اور معیاری تعلیم سے اس علاقے کو روشناس کرایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ایم ایس سی فزکس کے فائل میں تھا اور ان سے ملاقات کے لئے ایک دفعہ حاضر ہوا تو انہوں نے اُسی وقت مجھے کہا کہ فائل کے پیپر دیتے ہی میرے پاس آ جانا کیونکہ ہم نے یہاں ایک کالج کی بنیاد رکھنی ہے اور ان طلباء کو اعلیٰ اور معیاری تعلیم دینی ہے جو اپنے محمد و دوسائل اور غربت کی وجہ سے تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ اگست 1997 میں فائل پیپر دے کر میں آگیا اور اس وقت تک وہ بھی کالج کی بنیاد رکھنے کا ہوم ورک کر چکے تھے اور محترم چیئرمین صاحب سے اسکی اجازت وغیرہ لے چکے تھے۔ یعنی خود راقم، جناب پروفیسر قاضی انوار الاسلام صاحب، پروفیسر میاں خان صاحب (مرحوم) اور مرزا خان صاحب یہی حضرات کالج کے بانی حضرات تھے۔ جی ایم صدیقی صاحب نے جس جانشناختی اور لگن سے کالج کی ایک ایک چیز کو ترتیب دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک کمرے

سے شروع کیا گیا یہ سفر آج ایک وسیع رقبہ پر محیط ہے اور کالج کا نام بہترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ چیز میں صاحب اور صدیق صاحب کے خواب کی حقیقی تعبیر ہے۔ صدیق صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ان کی نظر ہوتی تھی اور اسکی نوک پلک درست کرنے میں خود حصہ لیتے تھے۔ صرف کالج کا مونوگرام بنانے کے لئے ہی جو محنت انہوں نے کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ اس بات کا خصوصی خیال رکھتے تھے کہ فاؤنڈیشن کا پیسہ ضائع نہ ہو اور جہاں اشد ضرورت ہوتی وہیں وہ خرچ کرنے کی اجازت دیتے۔

جب ہم نے فریکس کی کلاسز شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو فریکس لیبارٹری کے لئے سامان کی ضرورت تھی۔ یقین کریں صدیق صاحب مرحوم نے راولپنڈی میں کئی جانے والوں کی وساطت سے مجھے ساتھ لیکر کالج کی لیبارٹریز دیکھیں، سامان کا جائزہ لیا اور پھر جہاں جہاں سائنسی سامان دستیاب تھا ان کی معلومات لی اور پھر وہی کام لا ہو رجا کرو ہاں پر کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ راولپنڈی، اسلام آباد کی بہترین لیبارٹری ہمارے کالج کی ہونی چاہئے۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا اور فیڈرل بورڈ نے بھی ہماری لیبارٹری کی تعریف کی۔ لا ہو رجا جب ہم گئے تو وہ خود اپنے خرچ پر ہاں پہنچے اور رہائش بھی وہاں اپنے ایک عزیز کے ہاں رکھی۔ مجھے بھی کہا کہ ہائل میں ایک دوست کے ساتھ قیام کروں تاکہ فاؤنڈیشن کا پیسہ بچایا جاسکے۔ سامان ی خریداری میں جس محنت سے انہوں نے لین دین کیا وہ میرے لئے ایک نمونہ ہے۔ ایک اور چیز جو میں نے جی ایم صدیق صاحب کی ذات میں نوٹ کی وہ ان کی صفائی، نفاست پسندی اور نظم و ضبط تھا۔ صفائی پسند اتنے تھے کہ کلاس میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ کچھ سوچ کر فرمانے لگے کہ آج میں لکچر نہیں دوں گا۔ اس کو کل پر رکھ دو۔ میں نے کہا کہ سارے انتظامات مکمل ہیں اور طلباء کو بھی ملا لیا گیا ہے تو مناسب ہے کہ آج ہی لیکچر ہو جائے۔ انہوں نے اپنی شرط کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگے کہ میں نے ابھی کالج آ کر نوٹ کیا ہے کہ شرط پر سامنے ایک داغ لگا ہوا ہے اور کلاس میں طلباء کے سامنے یہ نمایاں ہو گا جس کا اثر اچھا نہیں پڑے گا۔ اس لئے کل میں دوسری شرط پہن کر آؤں گا تو لیکچر دوں گا۔ اس واقعہ سے ان کی نفاست پسندی اور صفائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ صدیق صاحب اس بات پر خصوصی توجہ دیتے تھے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کی

کردار سازی بھی ہونی چاہئے اور اس مقصد کے لئے ہفتے میں ایک دن جناب پروفیسر سعید راشد (مرحوم) کے یکچھر کا خصوصی اہتمام کرنے کو کہتے تھے۔ ان کی ہمیشہ خواہش ہوتی تھی کہ چیزِ میں صاحب کے وزن کو اس کی اصل روح میں نافذ کیا جائے۔ جو بھی اصلاحات چیزِ میں آفس سے آتی تھیں ان کو خصوصی طور پر نافذ کرواتے اور خود بھی اس کی پاسداری کرتے تھے۔ انوار الاسلام صاحب نے بھی خود محنت سے کام کیا۔

ان کی زندگی کا ایک اور خوبصورت پہلو جو مجھے دیکھنے کا موقع ملا وہ ان کی فیاضی اور غرباً کی خفیہ امداد تھی۔ انہوں نے کالج میں میری ڈیوٹی لگائی کہ مقامی ہونے کے ناطے طلباء میں سے ایسے طالب علموں کو تلاش کروں جن کے گھر بیلو حالات بہت خراب ہیں اور فیس وغیرہ اور کتابوں کے اخراجات نہیں اٹھاسکتے۔ میں نے بہت مشکل سے ایسے طالب علموں کی لسٹ بنائی اور ان کے سامنے رکھی۔ انہوں نے ان میں مزید تحقیق کی اور مستحق طالب علموں کی فیس یا تو بالکل معاف کر دی یا اس میں مناسب تخفیف کر دی تاکہ کوئی بھی طالب علم تعلیم کی نعمت سے محروم نہ رہ جائے۔ کچھ طلباء کے لئے انہوں نے اپنی جیب سے بھی فیس ادا کی اور کتابیں خرید کر دیں۔ فاؤنڈیشن کے مختلف مصارف میں اپنی خوشی سے حصہ ڈالتے رہتے تھے جسکی چشم دیدگواری راقم دیتا ہے۔ میں اور قریشی صاحب ہمیشہ انہیں یاد رکھیں گے۔

غلام محمد (جی ایم) صدیقی صاحب نے پاکستان بننے سے پہلے علی گڑھ سے ایم ایس سی فرکس کر رکھی تھی اور یہاں آ کر پہلے گورڈن کالج راولپنڈی میں کچھ عرصہ مدرسہ کی بعد میں پاکستان ایئر فورس کو جوانئ کیا۔ فرکس کی وہ تعلیم انہوں نے کالج کی تعمیر میں استعمال کی۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ پاکستان ایرونائیکل کمپلیکس کا مرکز کی تعمیر و ترتیب میں انہوں نے کس جانبشانی سے کام کیا اور اس کو پاکستان کے بہترین اور واحد ایرونائیکل انجینئرنگ ادارے کی حیثیت سے پیش کیا۔ ہمارے اس دیہی علاقے پر آپ کا خصوصی احسان ہے۔ بہت سے لوگ شاید آج یہ محسوس نہ کر سکیں کیونکہ اب یہاں پر حالات بہت بدلتے ہیں لیکن جب چیزِ میں ڈاکٹر نعیم غنی صاحب اور ان کی ٹیم نے جس میں جی ایم صدیقی صاحب بھی شامل تھے، یہاں پر یہ ادارہ بنانے کا فیصلہ کیا تو اس علاقے کے لوگ

تعلیمی میدان میں بہت پسمندہ تھے۔ کمپیوٹر کی تعلیم کا 1994ء میں یہاں پر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اس ویرانے میں آ کر ایک ایسا تعلیمی ادارہ بنایا جوتا اب تعلیمی میدان میں اپنی خدمات پیش کرتا رہے گا۔ فنی اور عمومی تعلیم میں اس وقت بھی علاقے میں اسکا مقابل کوئی اور ادارہ نہیں ہے۔ یقیناً یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والا ہر فرد جی ایم صدیقی صاحب کا احسان مند ہے اور ان کی روح کے لئے ہمیشہ باعث تسلیم رہے گا۔ پنس سلمان کالج سے تعلیم حاصل کرنے والے طلباء میں کم از کم تین کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ اب پی اچ ڈی کر چکے ہیں اور نہایت ہی اعلیٰ جگہوں پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ رقم خود بھی اس ادارے کا تعلیم یافتہ اور بعد میں ٹیچر رہا ہے۔ جی ایم صدیقی صاحب (مرحوم) کے خود رقم پر اتنے احسانات ہیں کہ ہر پل ان کے لئے دل سے دُعا میں نکلتی ہیں۔ صدیقی صاحب جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ وہ بنیاد ہیں جن پر پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے لیکن خود زمین میں دفن رہ کر اس کا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے کئی گھرانے آج عزت کے ساتھ اپنا نظام چلا رہے ہیں۔ ہمارے علاقے میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے سلطانہ فاؤنڈیشن کے اس پنس سلمان کالج کی بدولت اپنی زندگی کا رُخ متعین کیا۔ ان لوگوں کے دلوں سے ہمیشہ ان کے لئے دُعا ہی نکلے گی۔ جی ایم صدیقی صاحب کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں ہے لیکن جو وقت میں نے ان کے ساتھ گزارا وہ میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ میں نے انہیں نہایت ہی شفیق سر پرست، اعلیٰ ظرف کا مالک، مخلص اور غریب پرور پایا۔ ان کی زندگی ہر نیک سیرت انسان کے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کی کمی کو کسی صورت بھی پورا نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کی تعلیمات پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی کو بہتر بناسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دُعا ہے کہ نہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو، ان کی قبر پر ہزاروں رحمتوں کا نزول ہوا اور ان کا لگایا ہوا ہر پودا دن دگنی رات چکنی ترقی کرے۔ آمین

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہاں ہو گئیں ♦

جذبہ.....دالش.....اور جرات

مین سی اس.....ماخوذہ از ”جینے کی اہمیت“..... مصنف: لین یوتا نک ترجمہ: مختار صدیقی

فلسفی مین سی اس کا خیال ہے کہ زندگی سے حظ اٹھانے کے لئے موزوں ترین شخص وہ ہے جس میں جذبے کی گرمی ہو، جو بے باک ہو، اور جسے کسی چیز کا ڈرنہ ہو۔ اس کے نزدیک مثالی انسان کی ”پختہ خوبیاں“، تین ہیں اور وہ ہیں دالش، رحمدی اور جرات۔ میں نے ”جذبات“ کا لفظ جوش اور ولہ اور انہائے شوق اور یہجان کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ احساسات کا لفظ غالباً بہتر ہوتا کیونکہ اس میں جذب و شوق کا یہجان شامل نہیں ہوتا۔ احساسات نسبتاً نازک تر اور لطیف تر ہوتے ہیں، ان میں طوفانی کیفیت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ چینی مزاج میں ہم ایسے ”جذبات“ کی کمی پاتے ہیں جو فور شوق سے پر ہوں۔

بدقتی سے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جذبات ہر انسان کے حصے نہیں آتے۔ جس طرح انسان کو اپنے ماں باپ چننے کا اختیار قدرت نہیں بخشتا اسی طرح یہ بات بھی قدرت کے ہاتھ میں ہے کہ ہم جذباتی لحاظ سے گرم جوش یا سرد مہر پیدا ہوں۔ مگر مشاہدے کی بات یہ ہے کہ کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے سرد مہر پیدا نہیں ہوتا۔ بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ دل کی گرم جوشی کم ہوتی جاتی ہے اور ہماری روح کی گرمی بھی اسی نسبت سے گھٹتی جاتی ہے۔ بلوغت کے زمانے میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ماہول کی بے رحمی کی بدولت ہماری جذبات زندگی ہمیشہ کے لئے مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، یا یہ بالکل سرد ہو جاتی ہے۔ مگر اس میں ماہول سے زیادہ خود ہمارا اپنا قصور ہوتا ہے کہ ہم اسے زندہ نہ رکھ سکے، ایسے ماہول سے دامن نہ بچا سکے جو اس کے لئے سخت مہلک تھا۔

دنیا جس چیز کو ”زندگی کا تجربہ“ کہتی ہے، اسے حاصل کرنے میں ہماری اصلی نظرت کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں ہوتی ہیں۔ ہم کچھ کے کچھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو ”سخت“ بانا سکتے ہیں۔ تصنیع اور بناؤٹ سے کام لینا سکتے ہیں، سرد مہر اور سنگ دل، بلکہ ظالم بننا سکتے ہیں، دل میں یہ فخر ہوتا ہے کہ ہم نے زندگی کا بہت ”تجربہ“ حاصل کیا مگر اصل میں ہوتا یہ ہے کہ اس سارے زمانے میں ہمارے اعصاب بے حس ہو جاتے ہیں۔ ان میں پچک اور زندگی کی لہر ٹھنڈی پڑتی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ زندگی کے ہر میدان، خصوصاً تجارت اور سیاست میں تو آپ کے سامنے ہے۔ یہ اسی عمل، اسی ”تجربے کے حصول“ کا نتیجہ ہے کہ ہم میں ایسے آدمی پیدا ہوتے ہیں جو آپا دھاپی سے سب کچھ اپنے قبضے میں کر لینے کی فکر میں رہتے ہیں۔ جو ہر جائز ناجائز طریقے سے زندگی میں کامیابی حاصل کر کے رہتے ہیں اور جو شخص ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے اسے ختم کر کے، چٹ کر کے دم لیتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے ہم میں وہ آدمی پیدا ہوتے ہیں جنہیں ”فولادی عزم“ کے

انسان، کہا جاتا ہے۔ جن میں جذبات کی رمق تک باقی نہیں رہتی، جو جذبات کو فضول اور بے معنی سمجھتے ہیں۔ یہی اشخاص ہیں، جن سے نفرت کرنے بھی شریف آدمی کی تو ہیں ہے۔ مگر دنیا میں ایسے سخت دل حضرات کی کمی نہیں۔

کئی مہذب ملکوں میں یہ تحریک چلی ہے کہ جو لوگ لو لے، اپنچ اور کوڑھی ہوں یا جسمانی لحاظ سے کسی ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہوں انہیں خصی کر دیا جائے تاکہ قوم کی نئی نسل اچھی پیدا ہو۔ میرا خیال ہے اگر کوئی ملک اسے قانون بنانے تو اسے سب سے پہلے ان لوگوں کو تولید کے ناقابل کر دینا چاہیے جو اخلاقی لحاظ سے بے حس ہوں، جن میں فنون لطیفہ کا احساس مردہ ہو چکا ہو، جن کا دل سخت ہو چکا ہو، جو کامیابی کے لئے ہر سخت گیری اور ظلم روا سمجھیں اور روا رکھیں، جو اپنے ارادے کی سعینی کے آگے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہ سمجھیں۔ گویا ہر شخص کو اس صفت میں شامل کرنا ہو گا جو زندگی سے لطف اٹھانا بھول چکا ہے، جس کے لئے زندگی کا ہلاکا پھلاکا پہلو، زندگی کی اطافت اور رنگینی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ تپ دق اور کوڑھ کے مريضوں یا پاگل لوگوں کو اولاد پیدا کرنے کے ناقابل بنانے سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان مردہ دلوں کو باپ بننے کے شرف سے محروم کر دیا جائے۔

جو شخص دل کا نرم، طبیعت کا سچی اور جذبات کا سچا ہو، اسے اس دنیا کے عقلمند بڑی جلدی بیوقوف بناتے ہیں۔ فراخ دل لوگ اپنی فراخ دلی کی بدولت بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو دشمن نہیں سمجھتے اور اپنے دوستوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد رکھتے ہیں۔

چنانچہ یہ لازم ہوا کہ انسان کو اپنی فراخ دلی کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ زندگی کی تلخی اس پر چھانہ جائے۔ اس کے لئے ایک اصول، ایک فلسفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کے سعین حقائق کا سامنے کرنے کے لئے محض دل گرم کافی نہیں۔ اسی لئے جذبات کی شدت کے ساتھ، دانش اور جرات دونوں کا سہارا ضروری ہو گا۔ میرے نزدیک دانش اور جرات دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ جرات زندگی کو سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص زندگی کو مکمل طور پر سمجھتا ہے اسی کے لئے بہادری ممکن ہے۔ زندگی سے ناواقف لوگ کبھی بہادر نہیں ہو سکتے اور یہ بھی یاد رکھئے کہ جو دانش اور سمجھا آپ کو بہادری نہیں سمجھاتی وہ کسی کام کی نہیں۔ دانش اس لئے بھی بہادری کا دروازہ ہے کہ دانش ہماری احمقانہ امنگوں اور ارادوں پر کڑا پھرا رکھتی ہے۔ انہیں حد سے بڑھنے نہیں دیتی، نہ معیار سے گرنے دیتی ہے۔ دانش ہی ہمیں اس دنیا کے تکلف اور تصنیع کی فضولیات سے چھٹکا را دلاتی ہے۔ اس لئے دانش ہی ہم میں جرات اور حوصلہ پیدا کر سکتی ہے۔ ♦

ڈونلڈ ٹرمپ اور بھارت.....مشترک قدریں

تحریر: پنکچ مشری (The New York Times - Feb 24, 2020)

(مشر اصحاب بھارتی مصنف ہیں جن کی حاليہ تصنیف "Age of Anger: A History of the Present." ہے)

اخذ و ترجمہ: ندیم احمد لطیف، شعبہ تحقیق، سلطانہ فاؤنڈیشن

زریندرا مودی کا بھارت امریکی صدر کا روحانی گھر ہے جو ظلم و جبر کے ہاتھوں جہنم کا نمونہ بنانا ہوا ہے۔ 2016 میں اپنی انتخابی گھم میں ٹرمپ نے کہا تھا "Love Hindu" ا۔ اس سے بھارت میں ہندو اکثریت اور امریکا کی امیرترین ہندو اقلیت کی امریکا سے محبت یقیناً اور بھی گھری ہو گئی۔ ٹرمپ کا کہنا ہے کہ ان کے فروری میں بھارت کے پہلے دورے کے موقع پر ہندو انتہا پرست زریندرا مودی نے ٹرمپ سے وعدہ کیا ہے کہ ایک کروڑ افراد ٹرمپ کا استقبال کریں گے۔ پچھلے ستمبر میں ہیومن فٹ بال سٹیڈیم میں ایک ریلی کے موقع پر مودی اور ٹرمپ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک ہی جھنے کے جنگلگر ہے تھے۔

اوھ امریکا میں ٹرمپ نے کچھ بڑے بڑے مجرموں کو اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے معافی دے دی ہے جن میں Michael Stone اور Roger Milken جیسے لوگ شامل ہیں۔ یہ اتنی کی روایت اس نے بھارت سے لی ہے۔ مودی کے انتہائی قربی دوست اور بھارت کے وزیر داخلہ امیت شاہ جس پر انگو اور قتل کے دیرینہ مقدمات تھے، مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد ان مقدمات کی سماعت کرنے والا نج پر اسرار طور پر مر گیا اور اس کی جگہ آنے والے نج نے فوری طور پر امیت شاہ کو ان مقدمات سے بری کر دیا۔

ٹرمپ کو اس دورے میں کانگرس کے قریب نہیں پہنچنے دیا جائے گا تاکہ تارکین وطن اور مسلمانوں کے خلاف اس کے اقدامات کا دباو برقرار رہے۔ مسلمان تارکین وطن کو دیمک قرار دے کر امیت شاہ نے بھارتی پارلیمنٹ سے ان کے خلاف قوانین بنوائیں ہیں اور بھارت کی واحد مسلم اکثریتی ریاست کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔

امریکا میں ٹرمپ انتظامیہ کی طرف سے حراسی مراکز میں بند افراد کے بچوں کو ان کے والدین سے الگ کرنے کے فیصلے پر بجا طور پر

غصے کی لہر پائی جاتی ہے۔ ادھر بھارت میں مودی سرکار نے وادی کشمیر میں، جو اس وقت ہندوتو کے ہاتھوں زیر یلغار ہے، بے شمار بچوں کو ان کے گھروں سے دور رہا است میں رکھا ہوا ہے۔ بھارت جیسی جمہوریہ جس کی پہچان کبھی موہن داس گاندھی جیسے بڑے ناموں سے ہوتی تھی، آج ٹرمپ لینڈ بن چکی ہے اور انتظامیہ کی حیوانیت، ناہلی اور جھوٹ کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ حالات یہاں تک کیسے پہنچے، اس کے پس منظر میں حرص کی نہ بھئنے والی آگ اور وہ احساس برتری ہے جس نے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوا ہے۔

ٹرمپ اور ٹرمپ ازم 90 اور 180 کی دہائیوں میں امریکی معاشرے میں چھا جانے والے طاقت، کامیابی اور شہرت کے حصول کے رو جھان کا نتیجہ ہیں۔ عام طور پر ایسا نہیں سمجھا جاتا، لیکن مودی اور ہندو بالادستی (ہندوتو) بھی طاقت اور دولت کے حصول کی خواہش کا نتیجہ ہیں جس نے بھارتی معاشرے سے اخلاقی اقدار کا خاتمہ کر دیا ہے۔

بھارت کے وہ لیڈر جو برطانوی راج کے خلاف تھے، خاص طور پر گاندھی، ان کے نزدیک منافع خور اور دولت جمع کرنے والے لوگ ناپسندیدہ تھے کیونکہ انہی لوگوں نے ہر جگہ اثر در سو خ حاصل کر کے دنیا کے بیشتر لوگوں کو کمتر بنا دیا تھا۔ نوآبادیاتی دور کے خاتمہ کے بعد بھی بھارتی معاشرے میں خود انحصاری، کفایت اور اجتماعی بہبود کا مزاج پایا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ اس وقت کے سینما، سیاسی تقاریر اور ٹوپی پروگراموں سے بھی ہوتا ہے جن میں عموماً بھارتی کی اکثریت آبادی یعنی غریبوں اور دیہاتیوں سے متعلق ہوتے تھے اور طبقہ اشرا فیہ بڑی ہوشیاری سے خود کو پرده اخفا میں رکھتا تھا۔ تاہم، 90 کی دہائی میں سب کچھ بدل گیا اور راتوں رات امیر بننے کا رجحان زور پکڑ گیا اور اس کے ساتھ ہی بھارتی ثقافت میں بھی ایسی ہی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ مجھے یاد ہے اس وقت جب بھارت کا امریکا کے ساتھ موازنہ کیا جاتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ بھارتیوں میں طاقت اور دولت کے حصول کی وہ قاتل جبلت (killer Instinct) نہیں ہے جو امریکیوں میں پائی جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ بھارت کے پاس کوئی طاقتور لیڈر نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کے نزدیک بھارت ایک پسمندہ اور اپاہنج ریاست تھی جو اپنے بانی رہنماؤں کے فلسفہ پر چل رہی تھی، جسے نہ تو اقلیتوں کو قابو میں رکھنا آتا تھا اور نہ ہی اس میں ترقی پسندی کا رجحان پایا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے مزاج میں وہ سختی اور شدت تھی جو بڑی

طااقت بننے کے لیے درکار تھی۔ وہ بھارت کو امریکا کی طرح دیکھنا چاہتے تھے جس سے ڈراجائے اور جس کی عزت کی جائے۔ اس رجحان نے بہت تیزی سے فروع پایا حالانکہ اس وقت بھی بھارتیوں کی بیشتر آبادی بنیادی ضروریات زندگی جیسے خوراک، صاف پانی، بیت الخلا، روزگار اور قابل رہائش گھروں سے محروم تھی، اور آج بھی محروم ہے۔ ایسے میں طبقہ اشرافیہ کا خیال ہے کہ وہ بھارت کو ایک طاقتو رہنمای کی قیادت میں ناقابل شکست بنادیں گے اور اپنے اندر ونی اور بیرونی دشمنوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور پھر انہوں نے نفرت پر منی سیاست کا آغاز کر دیا جس کی شروعات یو ڈھیا میں 16 ویں صدی سے قائم شدہ بابری مسجد کے انہدام سے ہوئی۔ اس طرح بھارت کی سیاست میں کئی دہائیوں سے غیر اہم رہنے والے متعصب اور شدت پسند سیاست دان حکومتی ایوانوں میں پہنچے اور مسلم دشمنی کی بنیاد پر طاقت حاصل کر لی۔

امیرانہ طرز زندگی کا دکھا وادولت اور طاقت کے حصول (Trumpification) کا اگر ایک پہلو تھا تو بالی و وڈاں کا دوسرا پہلو تھا۔ کئی دہائیوں سے بھارتی فلمیں پاکیزہ اور اخلاقی رویوں کی عکاس ہوتی تھیں لیکن 1990 کی دہائی کے بعد کی شاہانہ مصرفیت، مردانہ فوکیت پر منی ہندو توکا کی عکاسی ہی فلموں کی کامیابی کی ضمانت بن گئی۔ اس کے بعد نجی میڈیا نے امیرانہ شان و شوکت دکھانے کو مزید فروع دیا۔ اس انقلاب کا مستفید ہندو بالادستی کا علمبردار طبقہ تھا۔ اسی طبقہ نے 1998 میں ایٹھی دھماکہ کیا اور پاکستان کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ اسی طرح مودی نے، جب کہ وہ گجرات کے وزیر اعلیٰ تھے، مسلمانوں کا قتل عام کرایا۔

آج بھارت کی یہ قاتل جبلت (Killer Instinct) اپنے عروج پر ہے اور اصل قاتل بڑے بڑے اور اہم عہدوں پر بر اجمان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بھارت کی تیزی سے گرتی ہوئی معيشت کروڑوں کی تعداد میں بھارتی جوان نسل کو روزگار دینے کی اہلیت نہیں رکھتی لیکن ممبئی میں بلند و بالا عالی شان رہائشی عمارتیں بن رہی ہیں۔ ایسے میں مودی اور ان کے چاپلوں حمایتی ہندوانہ تعصب کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

ٹرمپ کے دورے کے پیش نظر بھارتی میڈیا دونوں عظیم ترین جمہوریتیوں کی مشترک اقدار کے گیت گائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو اہم ترین اقدار بھارت اور امریکا میں مشترک ہیں وہ اصل میں مودی اور ٹرمپ جیسے نیم حکیموں کی اقدار ہیں جو وقتی طور پر کامیاب ہو بھی جائیں تو بالآخر بھارتی طرح ناکام ہوں گے۔ ♦

عمرانی اثاثے

توموں میں افراد آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن عمرانی اثاثے باقی رہتے ہیں۔

قومی منصوبہ بندی میں تمام ان عمرانی اثاثوں کی تعمیر میں مطلوبہ التزامات کو پورا کرنا پالیسی ساز سطح کی بنیادی ذمہ داری بنتی ہے۔

عمرانی اثاثے چار قسم کے ہوتے ہیں:

Physical Structure	عمارتی اثاثے	o
Inter City Roads Network	شہری رابطاتی اثاثے	o
System Institutional Structure	اداراتی سٹرکچرز اثاثے	o
Services Structure	خدماتی سٹرکچرز اثاثے	o

یہ چار قسم کے سٹرکچرز کی قوم کے سرمائے ہوتے ہیں۔ چاروں سٹرکچرز کا وجود ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب کی خوبیک وقت کرنا ضروری ہے۔

اداراتی اثاثے اور خدماتی اثاثے معاشرے کی بنیاد بنتے ہیں اور ان کے وجود کے لئے عمارتی اثاثے نگزیر ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی آئینڈیا کو وجود دینے کے لئے ایک عمارت بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے عقیدے کی تفاصیل کو سہارا دینے کے لئے ہم مسجد کی تعمیر کرتے ہیں۔ اس مسجد کے وجود کے بغیر ہمیں ہر دفعہ ایک نئے شخص کو یہ بنانا پڑے گا کہ ہمارے عقیدے میں عبادت کیا اہمیت رکھتی ہے۔

پاکستانی عصری معاشرے میں مذکورہ بالا سٹرکچرز کی کمیابی کی وجہ سے پاکستانی افرادی قوت کو افرادی اور قومی تعمیر میں مناسب

موقع نہ ملنا پاکستانی افرادی قوت میں غیر ممالک کی طرف بھرت کار جوان پیدا کر رہا ہے۔

ان بنیادی عمرانی اثاثوں کی فراہمی کسی حکومت کی اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

(ڈاکٹر نعیم غنی) ♦

روحانیت کیا ہے!

(علینہ بیگ)

(CERSD: Student Health Programme Cordinator)

World Health Organization (WHO) ورلڈ ہیلتھ آر گنائزیشن کی طرف سے صحت کے بارے میں جو نئی وضاحت کی گئی ہے اس میں ذہنی، جسمانی، معاشرتی، معاشی صحت کے علاوہ روحانی صحت پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ اس روحانی صحت کو سمجھنے اور جاننے کے لئے 19 فروری کو سلطانہ فاؤنڈیشن کے ایک ادارے (CERSD) میں ایک بھرپور مباحثہ کا انعقاد کیا گیا۔ اس مباحثہ میں سلطانہ فاؤنڈیشن کے چیئرمین ڈاکٹر نعیم غنی صاحب نے جو خود ایک عظیم انسان ہیں، روحانی صحت کو ایسے مثالی الفاظ میں بیان کیا کہ شاید ہی وہاں پر موجود کوئی بھی شخص ایسا ہو جسے روحانی بننے اور روحانی صحت کا پیغام آگے بڑھانے کا دل نہ کیا ہو۔

اس بھرپور مباحثہ سے پہلے مجھے یا شاید ہر عام انسان کو یہی لگتا تھا کہ روحانیت صرف نماز پڑھنے اور ہر وقت وضو میں رہنے اور دنیا سے کٹ کر صرف اللہ کی یاد میں زندگی گزارنے کا نام ہے۔ لیکن ڈاکٹر نعیم غنی نے جو روحانی صحت کی وضاحت کی اس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ان کے مطابق روحانیت ”دلی سکون“ ہے۔ اور دلی سکون اللہ کے بندوں کو سکون پہنچا کر آتا ہے۔ ان کے مطابق کسی انسان کی قیمت اس بات سے نہیں ہے کہ وہ کتنا مال دار ہے یا اس کے پاس کتنا پیسہ ہے یا وہ کتنا کماتا ہے بلکہ اس بات سے ہے کہ اس انسان میں دوسروں کے لئے کتنا احساس ہے۔ وہ اپنے سے کمزور لوگوں کا کتنا احساس کرتا ہے۔ اُن کے ساتھ کتنا سخنی ہے اور اس کا اخلاق کتنا اعلیٰ ہے۔

روحانیت اصل میں اپنے سے کمزور لوگوں کا سہارا بننے، ان کے لئے احساس اور سخاوت کا نام ہے اور اللہ بھی تب ہی خوش اور راضی ہوتا ہے جب ہم اس کے بندوں کا سہارا بننے ہیں، ان کی مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی انسان کی پیداوار دولت میں تو ہے لیکن اُس کے اندر اپنے سے کم تر کے لئے احساس اور ہمدردی کا جذبہ نہیں تو وہ کبھی بھی روحانی صحت اور روحانیت کے جذبے سے پُر لطف نہیں ہو سکتا۔ اس بھرپور دن کی بہت ہی کارآمد بحث ختم ہو چکی تھی اور باہر نکلتے وقت میرے دل میں روحانیت کا جذبہ عروج پر تھا اور میرے ذہن پر ڈاکٹر نعیم غنی کی باتیں گھر کر چکی تھیں۔ میں نے اپنے آپ سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اپنی خوشی اور احساس سے پہلے اپنے اردو کے لوگوں کی خوشی اور احساس کا خیال رکھنا ہے۔ دوسروں کی خوشی کو اولین ترجیح دینی ہے اور یہی اصل روحانی صحت اور روحانیت ہے۔ ♦

سرمایہ داری نظام میں مہنگائی

مہنگائی کے بہت سارے اسباب گنوائے جاتے ہیں جو رسداً اور طلب میں عدم توازن سے لے کر کم پیداوار اور افراط زریعہ شرح سود میں زیادتی تک پہلی ہو سکتے ہیں، لیکن کلیدی عضروں کو بقدام تیتا ہے وہ ہے سرمایہ داری نظام میں زمین کی قیمت۔ کسی سوسائٹی میں کسی وجہ سے بھی زمین کی قیمت بڑھتی ہے تو اصحاب املاک کو توفیر کرنے والے ہوتا ہے لیکن معاشرے میں متوسط یا کم وسائلے افراد جن کے پاس زمین یا مکان نہیں ہوتا زمین، مکان یا دکان خریدنا ان کی پہنچ میں نہیں رہتا اور دکان اور مکان کا کرایہ بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی تاجر کاروباری غرض سے کرائے پر دکان یا عمارت لیتا ہے تو مہنگے کرائے کی شرح سے اس کے کاروباری اخراجات بڑھ جاتے ہیں تو وہ کرایہ پورا کرنے کے لئے اشیاء مہنگی بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کاروبار سے تاجر کو فائدہ نہ ہو مالک جائیداد ضرور مستفید ہوتا ہے اور کرائے کی قیمت گاہک ادا کرتا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں زمین کی غیر مناسب اور زیادہ قیمت ایک بڑا مشکل ہے اور یہ معاشرے میں غربت کا بھی ایک اہم سبب ہے کیونکہ ایک عام آدمی کے لئے کسی کاروبار کے لئے مکان یا دکان کرائے پر لینا اس کے سرمایہ کی استطاعت سے باہر ہو سکتا ہے۔ اس طرح رہائشی کرایوں میں زیادتی متوسط اور کم وسائلے والے افراد کی آمدن کا 30-20 فیصد حصہ کھا جاتی ہے اور ان کے پاس باقی بنیادی ضروریات زندگی کے لئے الاؤنس کم رہ جاتا ہے۔ ہمارے نظام معیشت میں زمین کی قیمتیوں کے عضروں کو کبھی نہیں گنا جاتا۔ حکومتی املاک بھی آج کل شہریوں کو اس قدر گراں قیمت پر دی جاتی ہیں کہ کوئی نیا کاروبار یا یاتھی کے تعلیمی پروگرام اس قدر وسائلے طلب ہو جاتا ہے کہ متوسط وسائلے والے افراد کی پہنچ سے باہر ہو جاتا ہے اور جب باوسائلے لوگ کوئی کاروبار، کوئی سروس کا کام، تعلیمی پروگرام یا صحیتی سہولت شروع کرتے ہیں تو اس کا بوجھ اس سہولت کو استعمال کرنے والے لوگوں پر منتقل کر دیتے ہیں۔ معیشت میں زمین یا عمارتی عضروں کو کسی کام میں کم رکھنے کے لئے سب سے پہلے حکومتی اراضی اور خاص طور پر تعلیمی اور صحیتی سہولیات قائم کرنے کے لئے کم قیمت پر رکھنا اشد ضروری ہے۔ باقی سارے معاشری ڈھانچے کے زمینی حصہ پر غور کرنے کے لئے حکومتی سطح پر حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

(ڈاکٹر نعیم غنی) ♦

زندگی میں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بنیادی عناصر

Intention	نیت	1
Sincerity	اخلاص	2
Conviction	حالت یقین	3
Action	عمل	4
Persistence	ثابت قدمی	5

مقصد کی اہمیت

مقصد کی کمیت

مقصد کی موجودہ کیفیت

مقصد کی سچائی پر یقین

مقصد کا شفاف خاکہ

ہم خیال ٹھیم

ٹھیم میں باہمی اعتماد و تعاون

مالی وسائل کی دستیابی

مقصد کے لئے عہد Commitment

منصوبہ کے مراحل کی رقبابت (نگرانی)

(ڈاکٹر نعیم غنی) ♦

کم از کم بنیادی ضروریات معیشت کی قیمت

ایک تحقیقی تجزیہ 2016-2019

عالیہ یا سین، مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما، سلطانہ فاؤنڈیشن

بنیادی ضروریات معیشت کو مد نظر رکھتے ہوئے 1988ء میں ایک معاشرے میں رہنے والے ایک گھرانے کی جس میں چھ افراد رہتے ہیں، تمام بنیادی ضروریات زندگی مثلاً مناسب غذا، معقول لباس، کم سے کم رہائش اور رہائشی اخراجات، متفرق اخراجات، صحیت و علاج معا الجہ کی سہولیات، تعلیم و تربیت کے ادارے، صاف پانی، صاف سترہ اماحول، مواصلات، حصول معاشرتی انصاف شامل ہیں۔ اس سروے کے مطابق 1988ء میں ایک فرد کی یومیہ خوراک پر 11-12 روپے خرچ آتے تھے جبکہ 6 افراد کا ماہانہ 2000 روپے خرچ بتاتا ہوا اور دیگر متفرق اخراجات کو شامل کر کے 6 افراد والے گھرانے کو اوسطاً 0 0 8 روپے ماہانہ چاہیے ہوتے تھے۔

گو معاشرے کے مختلف طبقات کے اوازات مختلف ہو سکتے ہیں اور بدلتے بھی رہتے ہیں لیکن ہم صرف ان بنیادی ضروریات کا تخمینہ لگارہے ہیں جن میں کمی سے صحیت منداور باعزت زندگی گزارنا ممکن نہیں رہتا اور کوئی فرد ان ضروریات کی فراہمی کے بغیر جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی طور پر پوری طرح اور صحیح پرورش نہیں پاسکے گا اور اپنے آپ کو غیر مرغوب سماجی علتوں اور فساد فی الارض، کی طرف مائل ہونے سے نہیں روک سکے گا۔

اس لئے ہمارے معاشرے کی تشکیل میں افراد کو ان بنیادی ضروریات کی فراہمی لازمی عصر ہونا چاہیے۔ ان ضروریات کی فراہمی میں فرد کا بھی ہاتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشرے سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وسائل اکٹھے کرتا ہے اور انہیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح معاشرتی حالات کو مد نظر رکھ کر سروے کیا گیا جس میں ایک فرد کی اس بڑھتی ہوئی مہنگائی کے دور میں جو ضروریات ہیں جیسے اس کا ایک دن کا کھانا مثلاً ناشستہ، دن کا کھانا اور رات کا کھانا وغیرہ اور اس کے علاوہ اس کے ماہانہ ادا کیے جانے والے وہ اخراجات ہیں جن کی وجہ سے وہ متفرق ضروریات پوری کر سکتا ہے ان سب کا ایک جائزہ لیا گیا ہے کہ ایک خاندان جس میں چھ (6) افراد رہتے ہیں ان کا ماہانہ خرچ کتنا ہوتا ہے اور وہ کیسے اس کو اپنے بجٹ کے مطابق استعمال کرتے ہیں یا ان چیزوں کے مطابق اپنا ماہانہ بجٹ تیار کرتے ہیں۔

اس لئے ہمارے معاشرے کی بنیادی تشکیل میں ان ضروریات کی فراہمی کی بنیادی عنصر کے طور پر شمولیت لازمی ہونی چاہیے۔ ان ضروریات کی فراہمی میں فرد کی کوشش کا حصہ اور مجتمع کا ڈھانچہ اور منصفانہ کام کا ج کے مساواۃ موضع ایک اہم موضوع ہے جس کے لئے فکری اور ثقافتی انقلاب کی ضرورت ہے اور کسی صورت بھی اس مسئلہ کو ملتی نہیں کیا جاسکتا۔ بنیادی ضروریات معیشت کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسری تحقیقی سروے 2000 میں کیا گیا جس میں کم سے کم معیشت کی قیمت معلوم کی گئی۔

سروے سے معلوم ہوا کہ ایک دہائی کے اندر ایک فرد کی خوراک کا تخمینہ دو گنا ہو گیا۔ 2000ء میں ایک فرد کی خوراک پر 22 روپے اور 6 افراد کی خوراک پر 132 روپے روزانہ جبکہ 3960 روپے ماہانہ خوراک پر خرچ آتا ہے۔ اور دیگر ضروریات زندگی کو دیکھا جائے تو $6240 + 3960 = 10,200$

سال 2016-2019 تک ہونے والے سرویز جن میں متوازن خوراک، لباس، رہائش اور، رہائشی اخراجات، لباس متفق اخراجات، صحبت، تعلیم، صاف ماحول اور بچت وغیرہ شامل ہیں۔

بنیادی ضروریات کی تفصیل

(1) خوراک:

2000 کیلو ریز بمع 50-60 گرام پروٹین، صاف پینے کا پانی

غذا	وزن	ڈیٹھ پاؤ	حرارے	چیزوں کی قیمتیں	چیزوں کی قیمتیں	چیزوں کی قیمتیں	2018-2019	2016-2017	2014-2015
گندم آٹا / چاول	350 گرام	ڈیٹھ پاؤ	1050	18 روپے	18 روپے	15 روپے	18	18	15
DAL	60 گرام	ایک چھٹا نک	220	10 روپے	10 روپے	6 روپے	10	10	6
چینی	15 گرام	1/4 چھٹا نک	60	3 روپے	3 روپے	1 روپے	3	3	1
گوشت	30 گرام	1/2 چھٹا نک	100	20 روپے	18 روپے	15 روپے	20	18	15
سبزیاں	500 گرام	1/2 سیر	100	40 روپے	30 روپے	20 روپے	40	30	20
پھل	100 گرام	ایک پھل	60	10 روپے	15 روپے	7 روپے	10	15	7
دودھ	250 گرام	ایک پاؤ	160	30 روپے	25 روپے	25 روپے	30	25	25
گھی / یاتیل	30 گرام	1/2 چھٹا نک	270	12 روپے	11 روپے	8 روپے	12	11	8
اٹڑا	عدد		80	10 روپے	10 روپے	8 روپے	10	10	8
کل حرارے			2100	153 روپے	140 روپے	105 روپے			

اس میں خوراک کے اجزاء سنتے سے سنتے رکھے گئے ہیں۔ نیزان بنیادی خوراکی لوازمات میں کوئی بولی مشرب بات، چائے یا دیگر لذاتی اشیاء شامل نہیں۔

(2) رہائش: 200 گز مساحت پر 100 مرلیع گز تعمیر دو سے تین کمروں کا مکان، کرائے پریا پھر 5 سالہ اقساط پر خرید۔

(3) رہائشی اخراجات: پانی، بجلی، گیس، فرنچر، بستروں وغیرہ

(4) لباس: سالانہ دو جوڑے کپڑے، ایک جوڑا جوتے و دیگر متفرقات

(5) متفرق اخراجات: ذاتی صفائی، دھلانی، ٹرانسپورٹ، ٹیلی فون

(6) صحت اور تعلیم، صاف ماحول، سماجی تحفظ، تمدنی ڈھانچہ، انفرسٹرکچر: ہر خاندان اپنی آمدنی کا 20 فیصد حصہ مرکزی یا بلدیاتی اداروں کو دے جو اس کو، صاف ماحول، تمدنی ڈھانچہ، سماجی اور حکومتی ادارے پولیس، فوج پر خرچ کریں۔

بچت: ہر خاندان اپنی آمدن کا 8 فیصد حصہ ہنگامی ضروریات کے لئے بچا کر رکھے جو خوشی، غمی یا سرکاری یا عارضی روزگاری تعطیلات کے وقت استعمال ہو سکے۔

دیگر بنیادی ضروریات معیشت کے ماہانہ اخراجات

2019-2018	2017-2016	2015-2014	2011-2010	2009-2008	2000-1999	1989-1988	ضروریات
153 روپے فرد یومیہ 40 روپے ماہانہ	140 روپے فرد یومیہ 0 مہانہ	105 روپے فرد یومیہ 0 مہانہ	80 روپے فرد یومیہ 0 مہانہ	55 روپے فرد یومیہ یومیہ 14400 روپے ماہانہ	22 روپے فرد یومیہ یومیہ 4000 روپے ماہانہ	11 روپے فرد یومیہ یومیہ 25200 روپے ماہانہ	متوازن خوراک 60-50 گرام خدمات کوئی ملذات، بولی شرب بات، چائے وغیرہ شامل نہیں
10000 روپے	8000 روپے	6000 روپے	4000 روپے	3000 روپے	1500 روپے	600 روپے	رہائش 200 مرلیع گز مساحت پر 100 مرلیع گز تعمیر رقبہ 200 گز مساحت۔ کرایہ پر یا 25 سال میں ملکیت کا حق

پے 5000 روپے	پے 5000 روپے	پے 4000 روپے	پے 3000 روپے	پے 2000 روپے	پے 900 روپے	پے 450 روپے	رہائشی اخراجات، پانی، بجلی، گیس، ایندھن، صفائی، فرنچپر، بستہ وغیرہ
پے 3000 روپے	پے 4000 روپے	پے 2300 روپے	پے 1800 روپے	پے 1200 روپے	پے 600 روپے	پے 300 روپے	لباس سالانہ دو جوڑے ایک جوڑا جوتا دیگر متفققات صفائی، دھلانی
پے 4000 روپے	پے 4500 روپے	پے 4000 روپے	پے 3000 روپے	پے 1800 روپے	پے 900 روپے	پے 300 روپے	متفق ذاتی اخراجات، ٹرانسپورٹ، میلی فون
پے 5500 روپے	پے 8000 روپے	پے 8000 روپے	پے 6000 روپے	پے 4000 روپے	پے 1600 روپے	پے 800 روپے	صحت، تعلیم، صاف احوال، سماجی تحفظ، تمدنی، ڈھانچے، انفارماٹر کچر
پے 1000 روپے	صحت
پے 1500 روپے	تعلیم
پے 5000 روپے	پے 5000 روپے	پے 3500 روپے	پے 2800 روپے	پے 2000 روپے	پے 1000 روپے	پے 350 روپے	بچت برائے ہنگامی ضروریات
پے 62540 روپے ڈالر 3440 شرح 142 روپے ڈالر	پے 59 00 روپے 46000 ڈالر شرح 65 0 روپے 102 روپے ڈالر شرح 104 روپے ڈالر	پے 450 روپے 35000 ڈالر شرح 400 روپے 38 روپے ڈالر	پے 35000 روپے 24000 ڈالر شرح 300 روپے 38 روپے ڈالر	پے 10500 روپے 4800 ڈالر شرح 300 روپے (300) ڈالر شرح 36 روپے ڈالر	پے 4800 روپے (300) ڈالر شرح 36 روپے ڈالر	پے 4800 روپے (300) ڈالر شرح 36 روپے ڈالر	ٹولٹ

اس طرح ایک خاندان (6 افراد) کے لیے بنیادی ضروریاتِ معیشت کا تخمینہ 1988-1989ء میں 4800 روپے ماہانہ جبکہ 2000ء میں انہی نرخوں کو استعمال کر کے بنیادی ضروریات کی قیمتیں 20 فیصد بڑھنے تھیں اور 10200 روپے ماہانہ خرچ بنتا تھا۔ 2008-2009ء میں یہ تخمینہ 24000 روپے ماہانہ بن جس سے 6 افراد کا ایک خاندان صحت مند اور باعزت زندگی گزار سکتا تھا۔ 2010-2011ء میں اس کو خاندان کا 35000 روپے اور 2014-2015ء میں 6 افراد کے خاندان کا 46000 روپے ماہانہ خرچ بنتا تھا۔ انہی سرویز کو مدنظر رکھ کر ہم نے اگلے 4 سالوں کی بنیادی ضروریاتِ معیشت کا اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ 2016, 2017, 2018, 2019ء میں بنیادی ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں بہت اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ گزشتہ چار سالوں سے غربت کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے جسکے باعث معیشت سمیت دیگر سماجی شعبوں بالخصوص صحت اور تعلیم پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ جب تک افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریاتِ زندگی میسر نہیں ہوں گی تب تک معاشرے میں معاشی اور معاشرتی مسائل جنم لیتے رہیں گے۔ ہم کیسے اپنی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے وسائل پیدا ہونے چاہئیں کہ تمام افراد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کارلا کر روزگار حاصل کر سکیں اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں کیونکہ جب عوام کو زیادہ مالی وسائل دستیاب ہوں گے تو ہی ایک صحت مند اور صلاحیتوں سے بھر پور معاشرہ جنم لے گا۔ 22 کروڑ آبادی میں 11 کروڑ بالغ افراد ہیں جن میں سے 6 کروڑ کسی نہ کسی حوالے سے روزگار سے وابستہ ہیں۔ مہنگائی تو بڑھی ہے لیکن آمدن اتنی ہی ہے جو کہ اوسط 20,000 روپے فی کس ماہانہ ہے؟ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے یا تو آمدن اور خرچ کی شرح میں اضافہ کیا جائے یا کم از کم ایک خاندان کے 6 افراد میں 2 سے 3 افراد ایسے ہوں جو برسر روزگار ہوں اور جن کی آمد نی اس خاندان کے ماہانہ اخراجات کو پورا کر سکے۔ ♦

وہا کا وسیع پھیلا و..... حکومتی صلاحیتوں کا امتحان

تحریر: Prof. Liu Dongchao (China Daily-Feb 4, 2020)

اخذ و ترجمہ: ندیم احمد لطیف، شعبہ تحقیق، سلطانہ فاؤنڈیشن

اس تحریر کے مصنف Prof. Liu Dongchao پارٹی سکول آف کیونٹ پارٹی آف چاکنا سینٹرل کمیٹی میں ڈپارٹمنٹ آف لٹرپگراینڈ ہسٹری سے تعلق رکھتے ہیں۔

چین کے علاقہ ووہان میں نئے دریافت شدہ کرونا وائرس کے مقامی، پھر قومی اور پھر عالمی سطح پر پھیلا وہ نئی مقامی حکومت

کی صلاحیتوں کا امتحان تھا جس کے نتائج نے جہاں مقامی انتظامیہ کو نئے سبق سکھائے وہاں تجربہ میں اضافہ کا سبب بھی بنے۔

وہا کو پھیلنے سے روکنے کے لیے سب سے پہلے افرادی نقل و حرکت پر پابندی جیسا اقدام ایک سائنسی اور نہایت موثر طریقہ

تھا۔ وہاں میں مقامی پبلک ٹرانسپورٹ اور گاڑیوں کی معطلی ایک مشکل فیصلہ تھا جس سے مقامی آبادی کے لیے مشکلات میں اضافہ

ہوا، تاہم وہا کو پھیلنے سے روکنے کے لیے یہ عمدہ اقدام تھا۔ علاوہ ازیں، دوسرے صوبوں سے طبی شعبہ کے عملہ اور دیگر وسائل کو وہاں

تک پہنچانے کا عمل ایک بہت بڑا اور تاہم تجربہ تھا۔

بہر حال اس بھرائی سے نہیں کے دوران کی قابل توجہ چیزیں بھی مشاہدے میں آئیں جیسے کام کے تجربہ کا فقدان، پرانے

طریقوں کا استعمال اور سماجی نفیسیات سے عدم واقفیت وغیرہ لیکن وہا کے آغاز میں جس طرح انتظامی کمزوری نے اس وہا کو مقامی سطح

سے پھیلا کر قومی سطح تک پہنچا دیا اس میں انفرادی فیصلہ سازی سے زیادہ ایمیز جنسی ریپانس سسٹم کے فقدان کا زیادہ ہاتھ تھا۔ یہ تمام

چیزیں پیش نظر رکھتے ہوئے، اس بھرائی سے ہمارے لیے کچھ فکر انگیز اور توجہ طلب نکات بھی سامنے آئے۔

سب سے پہلے، ایک تیز رفتار اور پر سے نیچے تک نہایت مربوط ایر جینسی رپانس سسٹم وضع کیا جائے اور جدید آلات اور وسائل سے لیں ایک امدادی ٹیم تیار کی جائے جس کو مزید بہتر بنانے کا عمل بھی جاری رہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہوگا کہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جائے، ماہرین کے تھنک ٹینک بنائے جائیں اور مقامی انتظامیہ کی سوچ میں جدت لائی جائے۔

دوسری یہ کہ بہت جلد اور مناسب انداز میں بہت جامع معلومات عوام تک پہنچائی جائے تاکہ عوامی رد عمل اور روایہ کو منظم کیا جاسکے۔ ایسا کرنے میں کوئی کوتاہی بحران کے زیادہ تیزی سے پھیلنے کا سبب بنے گی اور عوام میں خوف و ہراس اور بے چینی پیدا کرے گی۔ عوام تک درست معلومات پہنچانے کے ساتھ ساتھ عوام سے تعاون کی اپیل بھی کی جائے تاکہ بیماری کی روک تھام زیادہ موثر طریقے سے ہو سکے۔ اس سے انتظامیہ اور عوام میں عمدہ باہمی تعاون کی فضابنے گی اور حکومت کی ساکھ بھی بہتر ہوگی۔ اس کے لیے ذرا رُاغ اور سو شل میڈیا کا بھرپور استعمال کیا جانا چاہیے۔

تیسرا یہ کہ بیماری کی روک تھام اور علاج کے سلسلے میں جو اقدامات کیے جائیں وہ بہت منظم اور جامع ہونے چاہئیں۔ وہاں کے حوالہ سے عوامی احتجاج دیکھنے میں آیا اور انتظامیہ پر بہت تنقید ہوئی جس کی وجہ بروقت اور درست فیصلے نہ کیا جانا اور آغاز میں عوام کو اندر ہیرے میں رکھنا تھا۔

چوتھا یہ کہ بیماری اور اس کے حوالے سے اقدامات اور اعداد و شمار کی درست تفصیلات پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ حالیہ کروناوارس کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہاں کی مقامی انتظامیہ ناک پر لگانے والے ماسک کی تعداد اور ان کے استعمال سے متعلق ہی درست معلومات دینے سے قاصر ہی۔ ایسی چیزوں سے بچنا چاہیے تاکہ حالات سے نہیں میں آسانی ہو۔ ♦

کرونا و ائرنس

سمعیہ صادق: آفس انچارج ڈائریکٹوریٹ آف سکونز، سلطانہ فاؤنڈیشن

کرونا و ائرنس ایک خطرناک و ائرنس ہے جو فلوا اور نظام تنفس کی مختلف بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ و ائرنس کی قسم جانوروں میں عام پائی جاتی ہے لیکن انسانوں کو صرف اس و ائرنس کی کچھ مخصوص اقسام ہی متاثر کر سکتی ہیں۔ یہ و ائرنس جانوروں سے انسانوں میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کرونا و ائرنس سے متاثرہ افراد میں سر درد، نزلہ، کھانسی اور تھکن جیسی علامات سامنے آ سکتی ہیں۔

کرونا و ائرنس کی علامات

1	سانس کے مسائل (شدید)	2	بخار، کھانسی
3	نمونیہ (وائرل)	4	فلو (نزلہ، زکام)
5	سر درد	6	گلاخراپ ہونا

اس بیماری کا ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا۔ اس و ائرنس سے ہمارے بہترین دوست ملک چین میں بہت بُری صورت حال ہے جس سے سینکڑوں افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ چین میں اس بیماری کی انسانوں میں منتقلی کی وجہ چمگاڈڑ کا سوب پینا بتایا جا رہا ہے۔ اس وقت اگرچہ چین میں ہنگامی صورت حال درپیش ہے لیکن انسانی زندگیوں کا اس قدر تیزی سے لقمہ اجل بن جانا نہایت افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے۔ گوکہ ابھی تک اس بیماری کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا کیونکہ اس کا درج ذیل چند احتیاطی تدابیر اپنانے سے اس مہلک بیماری کا سد باب کیا جاسکتا ہے۔

گلے کو خشک نہ رکھیں۔ 1

تحوڑا تھوڑا اپانی پیتے رہیں۔ 2

نیم گرم نمکین پانی سے دن میں تین چار مرتبہ غرارے کریں۔ 3

پرہجوم جگہوں پر جانے سے گریز کریں۔ 4

سفر کرتے وقت، گھر سے باہر جاتے وقت اور مارکیٹ جاتے وقت ماسک یا رومال استعمال کریں۔ 5

مصالحہ دار اور فرائی فوڈ سے گریز کریں۔ 6

باہر سے آتے وقت ہاتھ دھوئیں۔ 7

سبزیاں اور پھل دھوکہ اور زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ 8

کھانستے وقت ناک اور منہ اپنے ہاتھوں سے ڈھانپیں۔ 9

گوشت سے پرہیز کریں۔ 10

درج بالا تمام احتیاطی تدابیر اس و ائرنس کے سد باب میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہمیں حلال حرام کی تمیز سیکھاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس بحث میں پڑنے کی بجائے بطور انسانیت، بطور انسانی ہمدردی ہمیں اس و ائرنس کے جلد از جلد ختم ہونے کی دعا کرنی چاہیے۔ و ائرنس کے پھیلاوہ کی وجہ کچھ بھی ہو سکتی تھی اور کوئی بھی ملک اس لپیٹ میں آ سکتا تھا۔ اللہ ہم سب کو تمام قسم کی موزی اور مہلک بیماریوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آ میں ثم آ میں) ♦

چینی ثقافت میں خوراکی اجزاء کے تعین کی ذمہ داری

صدیوں پرانی چینی ثقافت انسانی جوڑ کے تہذیب سے نکل کر اب انسان کو پیداواری اکائی بنانے میں ہمہ تن مشغول

ہو چکی ہے یعنی چینی ثقافت انسان کو خاندانی جوڑ سے نکال کر اب انسانی مشینی پر زہ بنا نے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ چینی

ثقافت مثالیت پسندی (Idealism) سے نکل کر مادہ پرستی (Materialism) زندگیوں میں بدل رہی ہے جس میں

مادی پیداوار میں اضافہ زندگی کی منزل بن چکا ہے۔ اس کا فلسفہ حیات زندہ رہنا اور کائناتی وسائل کو اپنی جسمانی

آسانیوں کے لئے استعمال کرنا ہے اور اب چینی ثقافت کنفیوشین اقدار کی دانائی سے دور علیحدہ ہو گئی ہے۔ اور اب نئی چینی

ثقافت کے 130 ارب نفوس کی آبادی پر سنگین نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔

خاندانی ڈھانچے کی تکوین بدل چکی ہے۔ خاندان ایک بچے تک محدود کر دیا گیا ہے۔ خوراکی

اجزاء میں مفید اور مضر کی تمیز ختم ہو گئی ہے۔

حقیقت میں انسانی مخلوق باتی خوراک اور محدود تک بات کھانے والے جانوروں کے گوشت کے استعمال سے

نظام حیات کو پالتی ہے۔ گوشتی خوراک پر پلنے والے کیڑے، پرندے، جانوروں میں ایسی وا رسی مخلوق پلتی ہے جو انسانی

صحت کے لئے انتہائی مضر ہوتی ہے۔ جب انسان ان متعدد انواع کے پرندوں، جانوروں کا گوشت استعمال کرتے ہیں تو

مضر صحت وا رس انسانوں میں منتقل ہو کر وبا کی مہلک بیماریاں پیدا کرتی ہیں جس میں SARS وا رس جس کی وباء چند

سال پہلے پھیلی اور اب 2020 میں نئی کرونا وا رس مختلف ملکوں کی آبادی میں پھیل چکی ہے۔ چونکہ سارس کرونا وا رس

کی اقسام سانس اور کھانسی سے تھوک کے قطرے مقابل شخص کو وائرس منتقل کر سکتے ہیں۔ اس لئے انسانی میل جوں اور نقل و حرکت اس کے پھیلاوے سے انسانی آبادیوں کو مہلک خطرے سے دوچار کرنے کا سبب بن رہی ہیں۔

وائرس اور بکٹیریا یا بیماریوں سے انسانی دفاع اس کے اندر قدرت کی طرف سے ملا ہوا یک موثر دفاعی نظام (Immune) کرتا ہے۔ لیکن اس دفاعی نظام کے بننے میں معین دنوں یا ہفتوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وائرس حملہ سے بیماری سے نقصان کا احتمال کافی حد تک بے دفاع جسم میں موجود ہوتا ہے۔

اسلامی ثقافت

یہاں یہ ذکر مناسب ہے کہ اسلام کے انسانی خوراکی اجزاء میں حلال حرام کا تصور پہلے سے موجود ہے۔ خوراک میں زراعتی حاصلات اور زراعتی انتاج کھانے والے جانوروں اور پرندوں کا گوشت حلال ہے اور گوشت خور جانور اور پرندوں کا گوشت حرام یعنی اس کا استعمال ممنوع ہوتا ہے کیونکہ خوراک میں گوشت خور جانوروں اور پرندوں کے اجسام میں مضر صحبت وائرس منتقل ہو کر وباً شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حلال و حرام کے تصور سے درحقیقت انسانی صحت کی حفاظت ہی مقصود ہے۔

چینی ثقافت میں خوراکی اجزاء کے چنانچہ میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ چینی ثقافت میں بھی خوراکی اجزاء کی لست میں انسانی صحت کے لئے مفید اور مضر کا تعین اب بین الاقوامی ذمہ داری بن گئی ہے۔

(ڈاکٹر نعیم غنی) ♦

صحت مند زندگی

انسانی زندگی میں صحت ایسا جزو ہے کہ جو نعمت حیات کے بعد سب سے بڑی نعمت خداوندی ہے اور اہم ترین بھی ہے کیونکہ ایک صحت مند انسان ہی فعال اور آزاد رہ سکتا ہے۔

صحت مند رہنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔ کوئی دوسرا ہمیں صحت مند نہیں رکھ سکتا۔ آج کل کی تیز رفتار اور پیچیدہ معاشرت میں صحت کو برقرار رکھنے اور کسی ہنگامی صورت حال کو سنبھالنے کے لئے صحت کے متعلق آگئی اور کچھ بنیادی تربیتوں کا حاصل کرنا ہر فرد کے لئے لازمی ہے۔

انسانی صحت متعدد اور متفرق، اندر و بیرونی عوامل سے متاثر ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سارے عناصر کو انسان خود کنٹرول کر سکتا ہے اور بہت سے عناصر اس کے ذاتی کنٹرول سے باہر ہوتے ہیں۔ انسانی صحت کو متوازن اور زیادہ سے زیادہ خوشگوار رکھنے کے لئے، صحت کے سارے پہلوؤں کو سمجھنا ضروری ہے۔

انسانی زندگی میں اس کی نوعیت (Quality) کو Optimum فرست دینے کے لئے، صحت کلیدی بنیاد ہے۔ صحت کے مختلف اجزاء، جسمانی صحت سے شروع ہو کر، عقلانی صحت کا احاطہ کرتے ہوئے، روحانی صحت اور ماحولیاتی صحت کے تطلبات بیک وقت برابر کی اہمیت لے لیتے ہیں۔

ایک اور زاویہ سے صحت کے موضوع کو جانچا جائے تو اس کے تین پہلو بن جاتے ہیں: پہلا پہلو یہ کہ انسان پیدائش سے ہی خاص جینیات کی ترتیب کا حامل ہوتا ہے۔ یقیناً اس ترتیب پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ دوسرا پہلو یہ کہ اس دلیعتی جینیاتی ترتیب کی ابتداء، افزائش اور پرورش اس کا قریبی ماحول کرتا ہے جس میں ماں کے دودھ سے لے کر ماحول کی شفقت یا شدت، ابتدائی عمر میں خوراک، ماحولیاتی مضرات مثلاً وارسن، جراثیم، کیمیاولی تلویثات، حراري کیفیات اور آج کے علمی دور میں طبی تلقیحات (vaccines) انسانی صحت کی بنیادیں بناتی ہیں یا اس کو براہ راست متاثر کرتی ہیں۔ تیسرا پہلو، انسان کی ابتدائی صحتی بنیادی کے بعد اس کا اپنا اختیاری یا اجباری Life Style ہے۔ اس میں قلت غذا سے شروع ہو کر بسیار خوری یا آلودہ غذا سے، اس کا معاشی پیشہ، اس کا مخاطری رویہ، اس کا غیر غذائی مرکبات کا استعمال مثلاً تمباکو، کھولی مشروبات، دماغی، خواب آور، لذاتی، یانشہ آور مرکبات کا استعمال، انسانی روابط میں ذہنی تناؤ اس کی خواہشات کا تناؤ، اس کا انضباط غصب یا جبر کی کوشش، اس کے ثابت یا منفی رویے، یہ سب انسان کی جسمانی صحت پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

انسانی آسودگی، انسانی فعالیت کو اگر میز ان میں رکھا جائے تو مندرجہ عناصر صحت کی کیفیت کو متاثر کرتے ہیں۔

صحت کو متاثر کرنے والے عناصر

پیدائشی کجیاں	(1)	10 فیصد
عدم حفاظتی احتیاطات	(2)	10 فیصد
علاجی سہولیات	(3)	10 فیصد
خوراکی مضرات	(4)	10 فیصد
انسانی عادات	(5)	10 فیصد
انسانی نفسیات	(6)	10 فیصد
انسانی تعلقات	(7)	10 فیصد
دباری و اسراسات	(8)	10 فیصد
ماحولیاتی آسودگیاں	(9)	10 فیصد
سگریٹ نوشی۔ نباتی و کیمیاولی نشہ آور مواد	(10)	10 فیصد

عمومی طور پر کسی معاشرے میں صحت کے شعبے میں بہتری کا فوکس صرف علاجی طب میں بہتری پیدا کرنا مقصود رہتا ہے حالانکہ انسانی صحت مندی کے لئے غیر طبی عناصر زیادہ کردار ادا کرتے ہیں۔

انسانی صحت کا صرف 10 فیصد انحصار علاجی طب کے معیار پر ہوتا ہے۔

پیدائشی کجیاں ایک ایسا رقمبہ ہے جہاں انسان صرف جزوی مدد کر سکتا ہے یا صرف ممکنہ بحالی کی کوششیں جاری رکھ سکتا ہے۔

انسانی عادات میں بے اعتدالی صحت کو متاثر کرنے میں اہم عنصر بنتی ہے۔ خوراک بھی انسانی صحت میں حصہ ادا کرتی ہے۔

صحت کے جس رقمبہ کو کم توجہ دی جاتی ہے وہ فرد کی اپنی نفسیات ہے۔ اگر نفسیات منقی رخ پر ہو تو بظاہر جسمانی طور پر صحت مند شخص کی زندگی کی خوبیگواری اعلیٰ درجہ پر نہیں ہوگی۔

سب سے اہم کردار جو انسانی صحت میں ہوتا ہے وہ ہے انسانی تعلقات کا۔ کسی انسان کی جسمانی صحت اور رہنمی صحت کی خوشگواری

کے لئے آسودہ ماحول اور خوش گوار انسانی تعلقات اہم مقام رکھتے ہیں۔ خاندانی غیر آسودہ ماحول اور بے شفقت رویے برہ راست انسانی صحت کو متاثر کرتے ہیں۔ آسودہ ماحول اور پرشفقت رویے انسانی صحت میں احساس خوش گواری پیدا کرتے ہیں۔

صحتی خدمات میں سارے سماج کے ماحول میں انسانی رویوں کو انفرادی عادات میں اعتدال کو صاف متوازن خوراک کو علاجی سہولیات کے ساتھ پوری اہمیت دینا ناجائز ہوگا۔

اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور صحت اس میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ انفرادی فعالیت میں بہتری انسانی صحت کی حفاظت سے ہوتی ہے۔ یہ حفاظت خود انسان کے اپنے رویوں اور انسانی رویوں پر مبنی انسانی تعلقات میں پہنچا ہے۔ اس حقیقت کی تمجھ اور اس پر عمل خوشنگواری معاشرے کی بنیاد بنتیں گے۔

صحت کا مطلب صرف یہ نہیں کہ انسان بیمار نہ ہو اور نہ ہی صحت صرف جسمانی حالت کا نام ہے بلکہ ہماری جذباتی، فکری اور روحانی نشوونما اور اس نشوونما میں توازن بھی ہماری صحت کا ایک اہم پیمانہ ہے اور ان سب کے استعمال سے ہی ہم اپنے اندر وہی اور بیرونی مسائل و خطرات سے بُرداً آزمائہو تے ہیں۔

ایک صحت مند فرد یا معاشرہ زیادہ پیدا اواری صلاحیت کا حامل ہوگا اور زیادہ خود انحصار ہوگا اور نتیجتاً وہ زیادہ آزاد ہوگا۔ صحت کے معاملے کو محض ڈاکٹروں یا ادویات کی صنعت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

صحت مندی کے لئے متوازن خوراک کے علاوہ ثابت سورج، خوش گوار خاندانی ماحول، معاشری آسودگی، پر خلوص تعلقات، بھرپور کام، باہمی اعتماد، مناسب جسمانی ورزش، مناسب آرام، غصہ پر قابو اور درگزر کرنا اہم عنصر ہیں جو ہماری جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت کو متاثر کرتے ہیں۔

جس طرح حصول علم یا سیکھنا ایک تاہیات عمل ہے، اسی طرح اپنی صحت کا خیال رکھنا اور بیماری سے بچنا بھی تاہیات ذمہ داری ہے جس کی ہر فرد کو کوشش کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر کا کام اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہم بیمار ہو جائیں اور ہمیں علاج کی ضرورت ہو۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے جسم کی ساخت، اعضا کے افعال اور بیماری سے بچنے کے لیے آگاہی حاصل کریں اور اس کے لیے صحت سے متعلق آگاہی کی تعلیم ضروری ہے۔

اس طرح دیکھا جائے تو صحت کا تعلق صرف سانس کے چلنے، کھانے، پینے، غذا کے ہضم ہونے اور جزو بدن بننے سے ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق ہمارے خیالات اور ہمارے شعور سے بھی ہوتا ہے۔ ہماری جسمانی، جذباتی، ذہنی اور روحانی نشوونما میں توازن ہمیں صحت کے مسائل و خطرات سے محفوظ رکھنے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ایسا طرزِ زندگی اختیار کریں جو ہماری صحت مندی میں معاون ہونے کہ صحت کی خرابی میں۔ صحت مند زندگی کے لیے دینے والا بننا، ہمدردی کا جذبہ رکھنا، دوسروں کا خیال رکھنا اور محبت سے پیش آنا، ہم ترین عناصر ہیں۔

○ جس طرح تعلیم و سکھلائی ساری عمر جاری رہتی ہے اسی طرح صحت کی ذاتی ذمہ داری بھی ساری عمر جاری رہتی ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے موضوع صحت سے متعلق آگہی اور جان کاری ابتدائی سکولی تعلیم کے نصاب میں شامل کرنا بیانی ضرورت بنتی ہے۔

○ صحت صرف جسمانی اعضاء کی صحت ہی نہیں..... اس کے ساتھ ذہنی، نفسیاتی اور انسانی تعلقات میں توازن بھی صحت مندی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

○ دوسروں سے خوشنگوار تعلقات اور قدرتی ماحول سے ہم آہنگی ہمیں صحت مند رکھتی ہے۔

○ ہماری صحت مندی میں اہم عنصر ہماری اپنی سوچ ہوتی ہے کیوں کہ ہمارے اندر کی توانائی ہمارے اپنے طرزِ سوچ سے متحرک ہوتی ہے۔ ثابت سوچ ہمیں صحت مند رکھتی ہے کیونکہ ثابت سوچ سے جسم میں پیدا ہونے والے ہارمونز ہمارے اندر کے دفاعی نظام (Immune System) کو فعال رکھتے ہیں۔ منفی سوچ سے ہمارے اندر کا دفاعی نظام (Immune System) ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتا ہے جس سے سرطانی وائرس اور جراثیمی بیماریوں کا احتمال بہت بڑھ جاتا ہے۔ منفی سوچ جس کا مقصد دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے اس سے انسان کی اپنی صحت سب سے پہلے خراب ہوتی ہے اور اس میں سرطانی عارضے صفت اول میں آ جاتے ہیں۔

(ڈاکٹر نعیم غنی) ♦

نیشنل نشست برائے فکری نشوونما

عنوان: ہماری شناخت.....رپورٹ: ریسرچ آفیسر ریحانہ اکبر (CERSD)

سلطانہ فاؤنڈیشن میں مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما کا قیام عمل میں لا یا گیا۔ اس تحقیقی مرکز کا مقصد Connecting Education to the Societal Need مسائل کی تحقیق کے لیے 10 اہم شعبے قائم کیے گئے ہیں۔

اس مرکز میں تحریری مواد کی تیاری کے علاوہ سینماز، روایت، پیغمبر اور زندگی کے مختلف شعبوں کے ماہرین کے تعاون سے معاشرے میں فکری بہتری کی کوشش کی جا رہی ہے۔ نسل نو کی سوچ اور فکر کو مہیز دینے کے لیے سلطانہ فاؤنڈیشن میں زیر تعلیم طلباء کی فکری نشتوں کا آغاز کیا گیا ہے۔

اس کا پہلا سیشن 13 جنوری 2020 کو پنس سلمان کالج آف سائنس کی طالبات کے لیے کالج آف کامرس کے ہال میں منعقد کیا گیا۔ سیشن کے آغاز پر کالج کے پرنسپل صدرستی صاحب نے سلطانہ فاؤنڈیشن کے چیئر میں جو اس پروگرام کے مہماں خصوصی تھے، کاشکر یہ ادا کیا اور اس کے ساتھ ریسورس پرسن میڈیا ایڈ واائز سلطانہ فاؤنڈیشن مرزا محمد ریاض بیگ راج اور مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما کی ریسرچ ٹیم کا بھی شکر یہ ادا کیا جنہوں نے طلباء کے لیے فکری نشتوں کے سلسلہ کا آغاز کیا۔

انہوں نے زیر بحث موضوع ”ہماری شناخت“ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اس کی اہمیت اور افادیت سے طالبات کو آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج یہ نوبت کیوں آئی کہ ہم خود سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہیں کہ ہماری شناخت کیا ہے؟

اس کے بعد سیشن کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت پنس سلمان کالج آف سائنس کی طالبہ بشری فردوں نے حاصل کی۔ تلاوت کے بعد نمرہ حسن نے نعمت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ سیشن کے ریسورس پرسن میڈیا ایڈ واائز سلطانہ

فاؤنڈیشن مرزا محمد ریاض بیگ راج نے بر صغیر کے مسلمانوں کے شاندار ماضی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ کس قدر ثابت قدم تھے اور اپنے شخص کو برقرار رکھتے ہوئے اقوامِ عالم میں مسلمانوں کا نام بنایا۔

اس پروگرام میں طلباء کی شرکت کو یقینی بنانے اور ان کی فکری صلاحیت کو ہمیزدینے کے لیے طالبات سے سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلا سوال جو طالبات سے کیا گیا وہ تھا کہ ہماری شناخت کیا ہے؟ اس حوالے سے مختلف طالبات نے بہت عمدہ جوابات دیے۔ علامہ اقبال کی شاعری جو بر صغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک کا باعث بنی اس کو بھی اس فکری نشست میں زیر بحث لایا گیا۔

اس کے بعد طالبات کی طرف سے فکر انگلیز سوالات کیے گئے جس میں ایف۔ ایس۔ سی سال اول کی ایک طالبہ ماہ نور نے سوال کیا کہ اگر ہمارا علم ہماری پہچان ہے تو پھر ایسے بچے جو سکول نہیں جاسکتے ان کی پہچان کیا ہے؟ پروگرام کے مہمان خصوصی چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نعیم غنی نے طالبہ ماہ نور کے سوال کے جواب میں کہا کہ جو بچے سکول نہیں جاتے ہم ان کی پہچان ہیں۔

ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے اظہارِ خیال میں کہا کہ اللہ نے انسان کو زندگی، اختیار، عزتِ نفس اور شناخت دی ہے۔ ہماری کارکردگی اور کردار ہماری شناخت ہے۔ پاکستانی معاشرے کی اپنی اقدار، رسم و رواج اور مستند روایات ہیں جو ہماری پہچان ہیں۔ بحیثیت پاکستانی قوم ہم نے ترقی کرنی ہے اور اقوامِ عالم میں سرخو ہونا ہے تو اپنے وسائل پر نہ صرف بھروسہ کرنا ہوگا بلکہ اپنی ہر چیز پر فخر کرنا ہوگا اور اپنے بچ کے ساتھ زندگی گزارنا ہوگی۔ اقوامِ عالم میں اپنا مقام بنانے کے لیے ہمیں اپنی سوچ کو ثابت بنانا ہوگا۔

آخر میں مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما کی ڈائریکٹر مختار مہ غزالہ سرور نے اس سیشن میں شرکت کرنے والے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور زیر بحث عنوان کے حوالے سے اپنا اظہارِ خیال بھی کیا۔ ♦

تقریب رونمائی "نظرؤں سے او جھل بچے"

(CERSD، قیر ریاض)

مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما نے اپنے قیام سے لے کر اب تک متفرق تحقیقی شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہ خدمات نہ صرف معلوماتی سیسیشنز کی صورت میں ہیں بلکہ اس حوالے سے تحریری مواد بھی ترتیب دیا جاتا رہا ہے۔ اس مرکز کے تحت مختلف تحقیقی شعبوں میں کتب لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس مرکز کی پہلی پبلیکیشن Pakistan Pedagogy کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما کا ایک اور شعبہ بے سکول بچوں کے حوالے سے تحقیق کر رہا ہے۔ 18 جنوری 2020 کو مرکز تعلیمی تحقیق و معاشرتی نشوونما کے زیر اہتمام مرکز ہذا کی تازہ ترین کتاب "نظرؤں سے او جھل بچے" کی تقریب رونمائی پرنس سلطان بن سلمان آڈیووریم میں منعقد کی گئی۔ تقریب کے مہمان خصوصی سابق سیکریٹری ایکیشن کمیشن جناب کنور محمد دلشاہ تھے۔ ان کے علاوہ اس تقریب میں محترم چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نعیم غنی، سینئر و اس چیئرمین انجینئر عزیز غنی، ڈائریکٹر صاحبان، پرنسپلر، مختلف اداروں کے معلمین، سلطانہ فاؤنڈیشن کے دیگر شفاف کے علاوہ کالج آف کامرس اور پرنس ڈگری کالج فاروسیں کی طالبات نے بھی شرکت کی۔

اس پروگرام میں سلطانہ فاؤنڈیشن کے ادارہ برائے بے سکول بچگان جسٹس یوسف صراف سینٹر کے پراجیکٹ ڈائریکٹر جناب بریگیڈر یا مجدد جاوید، اسٹرنٹ پراجیکٹ کو آرڈینیٹر محترم عابدہ عباسی اور اس ادارے سے منسلک تمام تعلیمی کونسلر نے بھی شرکت کی۔ اس کے علاوہ بے سکول بچوں کی بھالی کے اس پراجیکٹ سے منسلک معزز خواتین و حضرات نے بطور مہمانان گرامی اس تقریب میں خصوصی شرکت کی۔

تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا اور ہدیہ نعمت بارگاہ رسالت آب میں پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے معزز مہمانوں کو پریزینٹیشن کی صورت میں سلطانہ فاؤنڈیشن کا تعارف پیش کیا گیا۔ اس کے بعد سینئر و اس چیئرمین انجینئر عزیز غنی نے سلطانہ فاؤنڈیشن، بے سکول بچوں اور ان کی بھالی کے لئے قائم شدہ ادارے جسٹس یوسف صراف سینٹر کی تاریخ اور اہمیت بیان کی۔ اس حوالے سے آپ نے اپنا ذاتی تجربہ اور مختلف مرحلے کی تفصیل شیئر کی۔ اس کتاب کے مصنف قیر ریاض صاحب نے اس کتاب کے اغراض و مقاصد کے ساتھ بے سکول بچوں کے مسائل اور معاشرتی روایوں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے اپنی کتاب کے مختلف جزویات کا تعارف بھی پیش کیا۔ اس کے علاوہ بریگیڈر یا مجدد جاوید نے اس کتاب کا مفصل تجزیہ پیش کیا۔ چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن نے اس تقریب میں خطاب کرتے ہوئے سلطانہ فاؤنڈیشن کی تصوراتی تاریخ، مشن اور مقاصد کو بیان کیا۔ آپ نے کہا کہ سلطانہ فاؤنڈیشن کا فوکس ان کمزور لوگوں خصوصاً بچوں پر ہے جو اپنی شناخت کھو چکے ہیں۔ آپ نے دستور پاکستان کی شق A-18 کا ذکر بھی کیا جس کے تحت 5-16 سال کے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری ریاست پر ہے لیکن 10 سال گزرنے کے بعد بھی اس کے لئے کوئی منصوبہ یا انفراسٹرکچر نہیں بنایا گیا۔ آخر میں مہمان خصوصی کنور محمد دلشاہ نے اس تقریب کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ آپ نے سلطانہ فاؤنڈیشن کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اس ضمن میں اپنی ہر ممکن مدد فراہم کرنے کا یقین دلایا۔ تقریب کے اختتام پر چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن نے مہمان خصوصی کو کتاب کا تخفہ بھی پیش کیا۔

وٹاٹ کی تعداد میں اور وٹاٹ کی رقوم میں اضافہ ہوتا رہا۔

تعلیمی سال 2019-2020 کا سکالر شپ امتحان جنوری

2020 کے آخری ہفتے کے دوران منعقد کیا گیا جس میں جماعت پنجم کے امتحان میں 33 مدارس سے 192 طباوطالبات اور جماعت ہشتم کے امتحان میں 7 مدارس سے 64 طباوطالبات نے شرکت کی۔ اس امتحان میں مدارس کی تعداد اور طباوطالبات کی تعداد گزشتہ انیس سالوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تھی۔ امتحان کے نتیجے کا اعلان مارچ 2020 کے پہلے ہفتے میں کر دیا جائے گا۔ جماعت پنجم کے وٹاٹ کی تعداد 06 اور جماعت ہشتم کی تعداد 26 ہے۔ اس طرح وٹاٹ کی کل تعداد 86 ہے۔

امتحان کے دوران محترم چیئر مین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نعیم غنی، سینئر و اس چیئر مین انجینئر عزیز غنی اور ڈائریکٹر ایڈمنیسٹریشن ڈاکٹر نسیم غنی، مرزا ریاض بیگ راج میڈیا ایڈ وائز اور محترمہ غزالہ خالد پرنسپل پرس سلطانہ ڈگری کالج برائے خواتین نے آڈیٹوریم کا معاونہ کیا، طباوطالبات کی حوصلہ افزائی کی اور انتظام انصرام کو سراہا۔

سکالر شپ پروگرام میں شرکت سے طباوطالبات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، انکی کارکردگی بہتر ہو جاتی ہے اور وہ تعلیمی بہتری کے اعزاز کو برقرار رکھنے کے لئے مسلسل محنت کرتے ہیں۔ مختلف سکولوں کے نتائج سے ظاہر ہوا ہے کہ وٹاٹ حاصل کرنے والے طباوطالبات کے روپوں میں تبدیلی آتی ہے۔ ان کی حاضری بہتر ہو جاتی ہے۔ وہ اپنا تعلیمی سفر ایک نئے جذبے، لگن اور ذوق سے جاری رکھتے ہیں اور نمایاں کامیابی کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کرتے ہیں۔



فاطمہ غنی کالج آف ایجوکیشن

سکالر شپ امتحان جماعت پنجم اور ہشتم برائے تعلیمی سال

2019-2020

کالج ہڈانے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے علاوہ کئی ایک دیگر پروگرام بھی جاری کئے جن میں طباوطالبات کی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخششے کے لئے تعلیمی اپلیکیشن سکالر شپ پروگرام سرفہرست ہے۔ اس پروگرام کے تین بنیادی مقاصد ہیں۔

- اول: ہونہار طباوطالبات کی حوصلہ افزائی کرنا
- دوم: طباوطالبات میں جذبہ مسابقت پیدا کرنا اور
- سوم: تعلیمی معیار میں بہتری لانا

یہ پروگرام اکتوبر 1999 کے بورڈ آف ڈائریکٹریز کے فیصلے کے مطابق تعلیمی سال 2001-2000 میں جاری کیا گیا اور فروری 2000 میں پہلا سکالر شپ امتحان منعقد کیا گیا۔ ابتداء ہی سے یہ پروگرام بہت مقبول ہو گیا۔ سلطانہ فاؤنڈیشن کے گردونواح کے تعلیمی اداروں میں اس پروگرام کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ مدارس اور طباوطالبات کی تعداد میں اضافے اور اس پروگرام کی مقبولیت کے باعث

علاقے میں جا کر انسانیت کی خدمت کریں گی۔ پرپل صاحبہ نے S.AHO کے نتیجہ کا اعلان کیا اور پوزیشن ہولڈرز کے ناموں کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ رزلٹ 100 فیصد رہا۔ پرپل محترمہ مسز فاروق ڈیوڈ جان نے اپنے منحصر گکشیر المقصود فصاحت و بلاغت سے مزین اور نصیحت آموز الفاظ میں طالبات S.AHO کو اپنے ملک، ادارے اور خاندان کا نام روشن کرنے کے لئے دن رات مخت اور لگن سے کام کرنے کی تلقین کی۔

ڈاکٹر یکٹر میڈیکل ڈاکٹر ندیم غیم، سینٹر واکس چیئر مین انجینئر عزیز غنی، ڈاکٹر یکٹر ایڈمنیستریشن ڈاکٹر تنیم غنی، ڈاکٹر نسرین عزیز، ڈاکٹر سامعیہ احمد اور ڈاکٹر اسماء قناطیر نے اول، دوئم، سوم اور حسن کارکردگی کے انعامات طالبات میں تقسیم کئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چیئر مین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نیعم غنی نے پریلائیکل نرنسنگ کی کتاب نیچ نمبر 24 کی طالبات کو تخفی کے طور پر دی۔ ڈاکٹر یکٹر میڈیکل ڈاکٹر ندیم غیم غنی نے رخصت ہونے والے نیچ نمبر 24 اور نئے نیچ نمبر 25 کی تمام طالبات کے لئے 500 روپے ماہانہ وظیفہ دیا جبکہ ڈاکٹر بختیار کیانی نے نیچ نمبر 24 کی تمام طالبات کے لئے فی طالبہ 1000 روپے بطور انعام پیش کیا۔ پرپل محترمہ مسز فاروق ڈیوڈ جان نے ڈاکٹر یکٹر میڈیکل ڈاکٹر ندیم غیم اور ڈاکٹر بختیار کیانی کا اس کارخیر کے لئے شکریہ ادا کیا۔

تقریب کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر شاہد پرویز انصاری اور چیئر مین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نیعم غنی کو دعوت دی گئی کہ وہ تشریف لا کیں اور نیچ نمبر 24 کی گرجیویٹ طالبات میں اسناد تقسیم کریں۔ بعد ازاں مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر شاہد پرویز انصاری چیئر مین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نیعم غنی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نیچ نمبر 24 کی طالبات کے خوبصورت انداز میں قومی ترانہ کے ساتھ ہی تقریب کا اختتام ہوا۔

سکول آف اسٹنٹ ہیلتھ آفیسرز

تقریب تقسیم اسناد نیچ نمبر 42 و خوش آمدید نیچ نمبر 25

8 فروری 2020 سکول آف اسٹنٹ ہیلتھ آفیسرز کے 24 ویں نیچ کی تقریب تقسیم اسناد پرنس سلطان بن سلمان آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ تقریب کے مہمان خصوصی ڈاکٹر شاہد پرویز انصاری (ریٹائرڈ) میڈیکل ڈاکٹر، فیڈرل جزل ہسپتال، چک شہزاد اسلام آباد) تھے جبکہ دیگر مہماں ان گرامی میں چیئر مین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نیعم غنی، سینٹر واکس چیئر مین انجینئر عزیز غنی، ڈاکٹر یکٹر ایڈمنیستریشن ڈاکٹر تنیم غنی، ڈاکٹر یکٹر میڈیکل ڈاکٹر ندیم غیم غنی، ڈاکٹر نسرین عزیز غنی، ڈاکٹر سامعیہ احمد اور دیگر ڈاکٹر ز صاحبان، پرپل، ڈاکٹر ز صاحبان کے علاوہ سینٹر نرنسنگ سٹاف، سکول آف S.AHO کی طالبات اور کالج کی طالبات بھی شامل تھیں۔

کمپیئرنگ کے فرائض ٹیوٹر نرنس نادیہ گل نے سرانجام دیئے۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت مس نور العین نے حاصل کی۔ مس آنسہ الیاس نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ پرپل سکول آف اے ایچ او مسز فاروق ڈیوڈ جان نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ وطن عزیز سے محبت کے اظہار کے لئے ملی نغمہ S.AHO مس کو تیا عظم اور مس منیشہ بوٹانے پیش کیا۔ نیچ نمبر 24 کی نمائندہ طالبہ مس مریم کوکب نے پر جوش الفاظ میں اپنی ایک سالہ تعلیم و تربیت میں اساتذہ کی ان تحکم مخت اور لگن کو سراہت ہے ہوئے نئے آنے والے نیچ کو خوش آمدید کہا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ جہاں بھی جائیں گی اس ادارے (سکول آف اسٹنٹ ہیلتھ آفیسرز، سلطانہ فاؤنڈیشن) کا نام روشن کریں گی۔ ٹیوٹر نادیہ گل نے S.AHO کے منشور کے بارے میں نظم پڑھی۔ نئے آنے والے نیچ نمبر 25 کی طالبہ مس عائشہ سجاد نے بتایا کہ انسانی ہمدردی اور جذبہ خدمت خلق کے تحت اس کورس میں شامل ہوئی ہیں۔ اپنے اچھے کردار کی بدولت اس پیشے کے وقار کو بلند کریں گی اور اپنے پسماندہ

سلطانہ فاؤنڈیشن میڈیکل ڈیپارٹمنٹ

کارکردگی.....ماہ جنوری 2019ء

رضا کارڈاکٹروں میں پروفیسر ڈاکٹر منور احمد (ریڈیالوجی) نے 24 اور پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود (ای این ٹی) نے 23 مریضوں کے ایکسرے چیک کئے۔ دونوں مستقل ڈاکٹروں (ڈاکٹر اقبال نیازی اور ڈاکٹر اسماء قاطیر) کو بھی اسرا ساؤنڈ میں مشکل چیزوں کی تربیت دی۔ تمام پیچیدہ امراض کے مریض ان پروفیسروں کو ریفر کئے جاتے ہیں۔ ان مریضوں میں وہ مریض بھی شامل ہوتے ہیں جن کے جوڑوں میں ٹیکے لگائے جاتے ہیں اور وہ بھی جن کی Minor Surgery کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد بختیار کیانی (آئی سپیشلٹ) نے 7، ڈاکٹر نسرین عزیز (گائی) نے 239 اور ڈاکٹر ندیم نعیم غنی (کارڈیالوجی) نے 138 مریضوں کا چیک اپ کیا۔ اس کے علاوہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے مستقل ڈاکٹر صاحبان میں ڈاکٹر اقبال خان نیازی (میڈیکل آفیسر انچارج) نے 1611 مریض چیک کئے، 15 مختلف مریضوں کے جوڑوں میں ٹیکے لگائے۔ ڈاکٹر اسماء قاطیر (میڈیکل آفیسر) نے 1584 مریض چیک کئے اور 3 اسرا ساؤنڈ کے مختلف مریضوں کے 100 ایکسرے کئے گئے اور مختلف 248 لیبارٹری ٹیسٹ بھی ہوئے۔ یاد رہے کہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں تمام طبی خدمات، مریضوں کا چیک اپ بیماریوں کی تشخیص اور ادویات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

(رپورٹ: نصرت تاج) ♦

سلطانہ فاؤنڈیشن سپیشل چلڈرن سکول

خصوصی بچوں کا قومی دن

1995ء سے قائم شدہ سلطانہ فاؤنڈیشن سپیشل چلڈرن سکول میں دو قسم کے بچے زیر تعلیم ہیں جن میں قوت سماعت و گویائی سے محروم بچے اور جسمانی معدود بچے شامل ہیں۔ اس وقت اس ادارے میں 72 طلباء طالبات زیر تعلیم ہیں اور 7 اساتذہ پر مشتمل شاف اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اب تک اس ادارے سے سینکڑوں طلباء طالبات فارغ التحصیل ہو کر کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ 7 دسمبر 2019 کو اس سکول میں خصوصی بچوں کا قومی دن منایا گیا جس میں محترم چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نعیم غنی، سینئر و اسٹریچر میں انجینئر عزیز غنی و گیر ڈائزیکٹرز، پرنسپل، اساتذہ کرام اور بچوں کے والدین نے شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے جماعت سوئم کے محمد حسیب نے کیا قوت سماعت و گویائی سے محروم بچیوں نے نعمت پر شاندار پرفارمنس پیش کی۔ اسی طرح بچوں نے رنگارنگ ٹیبلو اور نغموں پر پرفارمنس دے کر تقریب کو چارچاند لگادیئے۔

چیئرمین سلطانہ فاؤنڈیشن ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خصوصی بچے ہمارا اٹاثہ ہیں۔ انہوں نے اساتذہ کی محنت کو خوب سراہا اور خصوصی بچوں کے لئے فائن آرٹ کا شعبہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ سینئر و اسٹریچر میں انجینئر عزیز غنی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اساتذہ اور بچوں کی کارکردگی کو سراہا۔ آخر میں قوت سماعت و گویائی سے محروم بچوں نے اشاراتی زبان میں قومی ترانہ پیش کیا۔ اس تقریب میں خصوصی بچوں نے اپنی شاندار پرفارمنس سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی طور پر نارمل بچوں سے کم نہیں۔ تقریب کے اختتام پر آئے ہوئے مہمانوں نے بچوں کے آرٹ کے کام کو دیکھا اور ان کی محنت اور لگن کی تعریف کی۔

(رپورٹ: روینہ گیلانی، سپیشل چلڈرن سکول، سلطانہ فاؤنڈیشن)

عطیات

سلطانہ فاؤنڈیشن اپنے کاروائیں میں مزید مخیر خواتین و حضرات کی شمولیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ فاؤنڈیشن جس انسانی اور فلاحتی مشن کو آگے بڑھانے میں مصروف ہے اس میں آپ لوگوں کی شمولیت ادارے کے لئے باعث تقویت ہے۔

ماہ جنوری 2020ء میں موصول ہونے والے ان عطیات کے لئے ادارہ اپنے کرم فرماؤں کا شکرگزار ہے

صدقہ..... ہر نیکی صدقہ ہے!

بخاری و مسلم شریف کی حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے ذمہ کچھ نہ کچھ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس مال موجود نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں سے محنت کرے اور کچھ مال حاصل کر کے اپنے کام میں بھی لائے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر معدود ری کی وجہ سے یہ بھی نہ کر سکے یا اتفاق سے ایسا نہ کرے تو آپ نے فرمایا کہ کسی پر یہاں حاجت مند کی مدد کرے، یہ بھی صدقہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کہ کسی کو کوئی نیک کام بتا دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا کہ کسی کو شرمن پہنچائے، یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔ بخاری و مسلم ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ ہے۔ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کر دے، انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کرے یہ بھی صدقہ ہے۔ جو قدم نمازی کی طرف اٹھے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی اچھی بات جس سے کسی کا بھلا ہو جائے یہ بھی صدقہ ہے اور کوئی تکلیف وہ چیز راستے سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے۔ ان سب اعمال کو صدقہ فرمایا کہ ان کی وجہ سے خلق کو نفع پہنچتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق مسجد بنوانا، مدرسہ بنوانا اور دیگر جتنے بھی رفاه عاملہ کے کام ہیں مثلاً کنوں بنوانا، شفاخانہ بنوانا، راستہ بنوانا یہ سب صدقہ جاریہ کے ضمن میں آتے ہیں جن کا ثواب جاری و ساری رہتا ہے جب تک ان سے خلق کو فائدہ پہنچتا رہے۔ *

ٹرست ممبر

محترم انجینئر عزیز غنی، اسلام آباد 50,000 روپے

نقद عطیات

محترمہ مسز عالیہ فہد، اسلام آباد 100,000 روپے

اجنبی انجوکیشن ٹرست، راولپنڈی کینٹ 79,500 روپے

اجنبی انجوکیشن ٹرست، راولپنڈی کینٹ 26,500 روپے

محترم ڈاکٹر نیب حیدری، اسلام آباد 50,000 روپے

محترمہ بیگم داشاد عباز، معرفت یونیورسٹی کریل عبداللہ، راولپنڈی 60,000 روپے

محترمہ ڈاکٹر سامد عاصمہ، اسلام آباد 100,000 روپے

اجنبی انجوکیشن ٹرست، راولپنڈی کینٹ 54,000 روپے

زکوٰۃ

محترم ڈاکٹر خورشید احمد، اسلام آباد 5,000 روپے

محترمہ ڈاکٹر سلمی عزیز غنی، معرفت انجینئر عزیز غنی، اسلام آباد 50,000 روپے

میٹریل عطیات

محترم رانا سیف الرحمن، اسلام آباد استعمال شدہ کپڑے اور پردوے

Soneri Bank Ltd 01021560756 (Br. Code 0175)

HBL 1416-00096519-01

NBP 2067001300007095

(1) بنام سلطانہ فاؤنڈیشن

(2) بنام سلطانہ فاؤنڈیشن

(3) بنام سلطانہ فاؤنڈیشن

اکاؤنٹ نمبرز

برائے عطیات